اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ اکوڑہ خٹک

الحق

جلد ـــ ۳۱
شمارہ ـــ ۳
رجب ـــ ۱۴۱۶ھ
دسمبر ـــ ۱۹۹۵ء

بیاد
حضرۃ مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر: عبد القیوم حقانی

مدیر اعلیٰ
حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم۔ شفیق فاروقی

ایگزیکٹو ایڈیٹر
حافظ راشد الحق سمیع

فون: ۲۴۰، ۴۳۵، ۵۲۴۹ کوڑہ

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/- روپے فی پرچہ ۱۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۶ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۲۶ ڈالر
سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

علما اور دینی مدارس کے خلاف حکومت کی یلغار
ایوانِ بالا سینیٹ میں تقریر اور حق کا اظہار

گذشتہ چند ہفتوں سے دینی مدارس، اسلامی یونیورسٹی اور علماء دین سے متعلق وزیرِ داخلہ کے مذموم بیانات، ملک بھر میں علماء کی گرفتاریوں اور حکومتی عزائم کے خلاف سینیٹ میں دینی جماعتوں کے رابطہ گروپ نے سینیٹر مولانا سمیع الحق کو بطور نمائندہ کے تقریر کا موقع عنایت فرمایا اور ظاہر ہے کہ دینی جماعتوں کی جانب سے سینیٹ میں تقریر کرنے کا حق بھی ان ہی کو پہنچتا تھا کہ ملک بھر میں گرفتار ہونے والے زیادہ تر علماء کا تعلق بھی ان ہی کی جماعت سے تھا چنانچہ مولانا سمیع الحق نے ایوان بالا سینیٹ میں ۹۵ - ۱۱ - ۲۲ کو خطاب فرمایا ذیل میں سینیٹ سیکرٹریٹ کے حوالے سے آپ کی وہی تقریر من وعن نذرِ قارئین ہے ۔ (ادارہ)

جناب چیئرمین ! مولانا صاحب، آپ پوائنٹ آف آرڈر پر کچھ کہنا چاہتے ہیں ۔

مولانا سمیع الحق ! جی ۔

جناب چیئرمین ! ارشاد فرمائیں ۔

مولانا سمیع الحق ! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ جناب چیئرمین صاحب! یقیناً آپ کے علم میں ہوگا کہ دو تین دنوں میں حکومت نے ملک بھر میں یکایک اور بلا جواز علماء کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے ۔ انہوں نے یک طرفہ طور پر مذہبی اور دینی قوتوں کے جو لیڈر تھے یا کارکن تھے، ان کے مدارس پر چھاپے مار کر، ان کو گھروں پر چھاپے مار کر سینکڑوں علماء کو گرفتار کر لیا ہے ۔ ادھر ایسے بیانات بھی آرہے ہیں کہ دینی مدارس کو دہشت گردی کا گڑھ کہا جا رہا ہے اور دہشت گردی اور تخریب کاری ساری دینی مدارس سے منسوب کی جا رہی ہے جو بالکل قطعی غلط الزام ہے ۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کسی بھی دینی مدرسہ سے ایک کلاشنکوف بھی برآمد نہیں کر سکتے ۔ وہاں تو انسانوں کو تہذیب، اخلاق، امن اور حب الوطنی کا درس دیا جاتا ہے ۔ وہاں انسان کو انسان بنایا جاتا ہے ۔ اب کہیں بھی کوئی مسئلہ اٹھتا ہے تو ان کا سارا نزلہ دینی مدارس پر گرتا ہے ۔ یہاں تک کہ انسٹی ٹیوشنز

سلامی یونیورسٹی اسلام آباد جو کہ اس ملک کی نیک نامی اور عالم اسلام میں وقعت کا ذریعہ تھی، جس میں پچاس ممالک کے تقریباً ڈیڑھ دو ہزار طالب علم علم حاصل کر رہے ہیں، اس پر جناب وزیر داخلہ نے بلاوجہ اتنا بڑا الزام لگا دیا ہے۔

میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کسی بھی دینی مدرسہ سے ایک کلاشنکوف بھی برآمد نہیں کر سکتے

جناب والا! یقیناً ہمارے ملک میں دہشت گردی کا واقعہ ہوا ہے (مصری سفارتخانہ پر بم دھماکہ) جس کی ہم سب مذمت کرتے ہیں اور کبھی بھی دینی قوتیں دہشت گردی کی قائل نہیں رہی ہیں، مگر وزیر داخلہ کے بیانات سے گویا مصر کو خود ہم نے کہا کہ ہاں! ہم ملزم ہیں۔

جناب چیئرمین : پوائنٹ آف آرڈر پر تقریر ذرا مختصر کریں۔

مولانا سمیع الحق : جناب والا! اسی موضوع پر پہلے بات ہو رہی تھی اور اسی کے حوالے سے ہم واک آؤٹ کر گئے تھے۔

جناب چیئرمین : میرا مطلب ہے کہ اپنا موقف ذرا مختصر بیان کریں۔

مولانا سمیع الحق : (ہمارا باہمی مشورہ ہوا ہے کہ) اپوزیشن کی تمام پارٹیوں کی طرف سے صرف میں ہی تقریر کروں گا اور کوئی معزز رکن بات نہیں کرے گا تو مصر کی حکومت نے ہم پر نہ تو الزام لگایا ہے اور نہ ہی ہم پر شک کیا ہے۔ وہاں کی کچھ جماعتوں نے اس بات کا اعتراف بھی کر لیا ہے کہ ہم دہشت گردی کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ لیکن وزیر داخلہ نے ایسے بیانات دیئے کہ گویا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم مجرم ہیں۔ اگر اسلامی یونیورسٹی میں ایسے لوگ تھے

حکومت نے خواہ مخواہ ایک CRACK DOWN (کریک ڈاؤن) صرف اور صرف امریکہ کو خوش کرنے کے لیے دینی قوتوں کے خلاف کھول دیا ہے۔

تو ان کی VERIFICATION وزیر داخلہ نے کیسی کی؟ اب وزیر داخلہ یہ ساری ذمہ داری قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کو بے چارے علماء اور مدارس پر ڈال رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ حکومت نے خواہ مخواہ ایک CRACK DOWN (کریک ڈاؤن) صرف اور صرف امریکہ کو خوش کرنے کے لیے دینی قوتوں کے خلاف کھول دیا ہے۔

جہاں تک فرقہ واریت کا تعلق ہے، اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ آپ کو پتہ ہے کہ خود علماء نے جمع

ہوکر فرقہ واریت کے خلاف اتحاد کیا اور فرقہ واریت کی آگ ہم نے بجھائی ۔یکجہتی کونسل اسی لیے قائم ہوئی ۔ الحمدللہ پچھلے پچاس سالوں میں پہلی دفعہ اس سال محرم الحرام پورے امن سے گزرا ۔ اب جو واقعات ہو رہے ہیں، وہ اکا دکا ہیں ۔ وہ فرقہ واریت کی وجہ سے نہیں ہوتے ہیں ۔ میں ان کے بارے میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ان میں لوگوں کی ذاتی دشمنیاں شامل ہوتی ہیں، ذاتی انتقام ہوتا ہے ۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی سنی قتل ہوتا ہے تو اسے شیعوں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے اور اگر کوئی شیعہ قتل ہوتا ہے تو سنیوں کا نام لے لیا جاتا ہے ۔ تاہم اصل قاتل جو ہیں وہ دندناتے پھرتے ہیں اور وہ بیچ سے نکل جاتے ہیں ۔ اکثر جو ملک میں قتل ہو رہے ہیں وہ LAW AND ORDER کی کمزوری کی وجہ سے ہو رہے ہیں، ذاتی انتقام اور دشمنیوں کی وجہ سے ہو رہے ہیں ۔ ان حقائق کے باوجود ملی یکجہتی کونسل کی ساری جماعتوں کو تشدد کا نشانہ بنانے اور گرفتار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حکومت ملی یکجہتی کونسل کی کوششوں سے خوش نہیں ہے ۔

جناب والا! ہمیں پتہ چلا ہے کہ ہماری بعض جماعتوں کو توڑا جا رہا ہے اور ورغلا ، ورغلا کر جبراً گھیر کر ان کو کونسل سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے ۔ ہمارے سینکڑوں علماء ایسے ہیں ۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان میں سے زیادہ کا تعلق میری جماعت جمعیۃ علماء اسلام سے ہے ۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان کا فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ نہ وہ سپاہ صحابہ میں ہیں ۔ نہ تحریک جعفریہ میں ہیں نہ وہ سپاہ محمد میں ہیں اور پرامن شیخ الحدیث ایک عالم ایک مدرس درس دیتا ہے ۔ رات ساڑھے بارہ بجے ان کے گھروں میں جا کر اٹک میں، واہ میں، تلہ گنگ میں، چکوال میں پنڈ دادنخان میں، جہلم میں، حضرو میں، ان کو اچانک گرفتار کر لیا گیا ۔ تو وزیر داخلہ فرمائیں کہ کیا آپ نے اسلامی قوتوں کے خلاف محاذ کھولنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اور جنگ لڑنے کا؟ تو پھر ہم بھی اپنے فیصلوں میں آزاد ہوں گے کہ ہم اپنے لوگوں کو سڑکوں پر نکالیں ۔ ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ لوگوں کو سڑکوں پر نکالا جائے ۔

> ایمان اور جہاد کی بات ہم کرتے رہیں گے، خواہ امریکہ جئے یا مرے ۔ یہ ہمارے آئین کا تقاضا ہے ۔ ہمارے مذہب کا تقاضا ہے اگر اسلامی یونیورسٹی میں ایمان و جہاد کی بات ہوتی ہے تو پھر تمام مساجد کو وزیر داخلہ صاحب تالا لگا دیں ۔ تمام خانقاہوں کو تالا لگا دیں ۔ یہ جہاد اور ایمان کی بات نہ ہوتی تو آج ہم روس کے غلام ہوتے ۔

وزیر داخلہ کہتے ہیں کہ میرا بس چلے تو میں اسلامی یونیورسٹی کو بند کر دوں ۔ آپ کی پارٹی پی پی پی کا ایک ذمہ دار عہدہ دار اس کا سربراہ ہے جس کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے اور صدر پاکستان خود اس کا چانسلر ہے ۔ اگر یہ تخریب کاری

توری ایکٹر ملک معراج خالداس کا ذمہ دار ہے ۔ وزیر داخلہ اس کا ذمہ دار ہے ۔ جو غیر ملکی طالب علموں کی VERIFICATION کرتا ہے ۔ ہمارے ہاں ایک پشتو کا محاورہ ہے کہ بجلی کہاں گرتی ہے اور سیلاب کہاں آجاتا ہے ۔ یہ غریب علماء اور طلباء پر امن لوگ ہیں ۔

ایمان اور جہاد کی بات کرتے رہیں گے ۔ خواہ امریکہ جلے یا مرے ۔ یہ ہمارے آئین کا تقاضا ہے ۔ ہمارے مذہب کا تقاضا ہے اگر اسلامی یونیورسٹی میں ایمان و جہاد کی بات ہوتی ہے تو پھر تمام مساجد کو وزیر داخلہ صاحب تالا لگا دیں ۔ تمام خانقاہوں کو تالا لگا دیں ۔ یہ جہاد اور ایمان کی بات نہ ہوتی تو آج ہم روس کے غلام ہوتے ۔ اور ایمان و جہاد کی برکت سے ہم نے روس جیسی بڑی طاقت کو تہس نہس کر دیا ۔ ظاہر ہے امریکہ کو تو ہم دشمن لگ رہے ہیں ، لیکن آپ امریکی مفادات میں اس حد تک کیوں جاتے ہیں کہ ساری دینی قوتوں کو آپ کرش کر رہے ہیں " اگر وزیر داخلہ کوئی ثبوت پیش کریں کہ ان علماء میں سے کوئی بھی فرقہ واریت میں ملوث پایا گیا یا دہشت گردی میں ۔ تو میں اسی وقت یہاں سے استعفیٰ دے دوں گا ۔ اور اگر نہیں پیش کر سکتے تو وزیر داخلہ استعفیٰ دے دیں ۔ جناب والا میں یہ عرض کروں گا کہ دینی علماء اور دینی قوتوں کو حکومت اس حد تک مجبور نہ کرے ۔ ہم انشاء اللہ ایک دو دن میں یکجہتی کونسل کا اجلاس بھی بلا رہے ہیں .... آئین کی دھجیاں تو پہلے سے اڑا دی گئیں ۔ ملک کو سیکولر سٹیٹ بنانے کے لیے اور امریکہ کا گماشتہ سٹیٹ بنانے کے لیے یہ ساری جدوجہد ہے ۔ میں ان الفاظ پر تمام دینی قوتوں سے اور جو ہمارا رابطہ گروپ ہے ۔ ساری اپوزیشن کی طرف سے احتجاج کرتا ہوں اور وزیر داخلہ سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ فوراً ان علماء کو رہا کر دیں ۔ یہ یکطرفہ اور بلا جواز گرفتاریاں خواہ تحریک جعفریہ کی ہیں ، سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد اور جمعیت یا جماعت اسلامی ان سب کے بارے میں ہمارا ایک ہی موقف ہے کہ ان سب کو رہا کیا جائے ۔

حافظ راشد الحق سمیع
ایگزیکٹو ایڈیٹر ماہنامہ الحق

سفرِ علم و آگہی

"الحق" ماضی حال اور استقبال کے آئینہ میں

فرقِ باطلہ کا تعاقب !

(۳)

منکرینِ حدیث

وہ دانائے سبل ختم الرسل ؐ مولائے کل وجہِ وجودِ کائنات ذات قدسی صفات شافع محشر سید البشر فخر اولین و آخرین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی آج اس عالم آفاق اور جہان انفاس کی رونقیں قائم ہیں۔ اور آپ ہی کے صدقے اس کارخانۂ رنگ و بو اور گلزار ہست و بود کے ہنگامے جاری ہیں، رب ذوالجلال نے اس ظلمت کدۂ عالم کے لیے ہی آپ کو آفتاب نبوت بنا کر بھیجا تاکہ شرک و جہل کی تیرگی میں بھٹکی ہوئی انسانیت کی رہنمائی کی جا سکے۔ آپ ؐ کے انہیں بے پناہ و بے پایاں احسانات نوازش اور انعامات کے باعث ہی آپ ؐ کی محبت و اطاعت ہر مسلمان کے لیے عین ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اسی جذبۂ عشق و محبت کی بنا پر عاشقانِ رسول ؐ نے اپنے محبوب کے ہر فعل و قول ہر عمل ہر تقریر ہر انداز اور ہر ادا کو محفوظ کیا۔ یہاں تک کہ روایات میں آیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک سے جو پانی گرتا تھا۔ وہ انہوں نے زمین پر آنے نہیں دیا۔ اور ہر ایک پروانۂ رسالت مآب کی یہ تمنا ہوتی کہ میں ہی یہ آبِ شفا اپنے سر آنکھوں اور بدن پر مل لوں۔ اور حدیث پاک میں یہ الفاظ آئے ہیں کادوا ان یقتلون۔ اور اسی طرح آنحضور ؐ کے پسینہ مبارک کو بھی محفوظ کیا گیا یہ تو عشق و محبت اور وارفتگی کی ادنیٰ سی جھلک ہے جب کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر سینکڑوں صحابۂ کرام اور عاشقانِ رسول ؐ نے اپنی جانیں نچھاور کیں۔

ہم نے ان کے سامنے اوّل تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا

قطرۂ خونِ جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہماں کے جو تھا میسر رکھ دیا داغ دہلوی

اور جامِ شہادت نوش فرماکر ابدی اور لازوال نعمتوں سے ہمکنار اور سرفراز ہوئے اور اسی امتحان
ن و محبت میں کامیاب ہوکر خداوند قدوس کی طرف سے ان کو سندِ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور اولٰئک
ین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ ورزق کریم کی خلعت فاخرہ عطا ہوئی۔ انہیں
نثاروں اور جاں سپاروں نے اپنے خون سے گلشنِ محمدی کی آبیاری اور حفاظت کی۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ تو ان جاں نثاروں کی عقیدت و محبت کا تعلق تھا۔ رہا آپ کے ارشادات تو ان غاونداں عقل و بصیرت
ابۂ کرامؓ) کو اس حقیقت کا بخوبی ادراک تھا۔ کہ ان کے درمیان رشد و ہدایت اور علم و عرفاں کی جو شمع ازل
اں ہے تو انہوں نے اس روشنی سے زیادہ سے زیادہ کسب فیض کی کوشش کی۔ تاکہ آئندہ امت کے
لئے حضورؐ کے قیمتی فرمودات صدراً اور سطراً محفوظ کیے جاسکیں۔ چنانچہ سب سے پہلے دینی مدرسہ کے
جو کہ اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو حفظ کرنا
ع کیا۔ اور بعض نے جو لکھنا جانتے تھے انہوں نے ان کو قلمبند کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ ارشاد رسول صلی
علیہ وسلم سے ثابت ہے اکتبوا لابی شاہ اور اسی طرح فلیبلغ الشاھد منکم الغائب بہرحال
طویل الذیل مسئلہ ہے اور اس پر بہت بڑی اور ضخیم کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ لیکن ہم یہاں پر مختصراً
جمالاً انہی کاوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، چنانچہ احادیث کا ایک وافر حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
صحابۂ کرام کو لکھوایا۔ یا پھر آپ ہی کی ایماء پر اس کو تحریری انداز میں ڈھالا گیا۔ مثلاً کتاب الصدقہ میں
ر صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضۂ زکوٰۃ سے متعلقہ احکام تفصیلی طور پر لکھوائے تھے۔ جس میں قابل زکوٰۃ
پر زکوٰۃ کی شرح اور نصاب، تفصیل سے موجود تھا۔ اس فرمان کو کتاب الصدقہ کہا جاتا ہے۔ حضرت
اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کتب رسول اللہ کتاب الصدقۃ فلم یخرجہ الی عمالہ حتی
فقرنہ بسیفہ فلما قبض عمل بہ ابوبکر حتی قبض وعمل بہ عمر حتی قبض وکان
فی ضمن من الابل شاہ

اسی طرح صحیفہ عمرو بن حزام ایک تاریخی اہمیت کی حامل دستاویز ہے جب حضورؐ نے اپنے صحابی عمرو بن حزام
کا گورنر مقرر کیا۔ تو آپ نے حضرۃ ابی ابن کعب کو ایک کتاب لکھوائی اور اسے حضرۃ عمرو ابن حزام کے سپرد کیا۔

اور پھر اس کے بعد باقاعدہ طریقہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت پر ابن شہاب زہری ا
اس کے دیگر ساتھیوں نے ان ذخائر کی تدوین شروع کی، اور انہوں نے انتہائی عرق ریزی اور کدو کاوش
پر منتشر ذخیرے مرتب کیے۔ اور حزم و احتیاط کی وہ وہ مثالیں اس فن میں قائم کیں جس کی نظیر نہیں
اس لیے ان کے سامنے حضورؐ کا یہ ارشاد من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار
تھا کہ حضورؐ کے اس وعید کے تحت کوئی غیر قول رسول حضورؐ کو منسوب نہ کیا جائے تو محدثین عظام ۔
اس کے لیے ایسی چھلنی کا انتخاب کیا۔ اور ایک ایسا میزان اور پیمانۂ صدق و صفا وضع کیا کہ رہتی دنیا تک
مسلمانوں کو اس پر ناز رہے گا چاہے یورپ اور سائنسدان چاند پر کمندیں ڈالیں۔ ستاروں کو مسخر کر بر
لیکن وہ علم اور وہ کیمیا جو کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور ان کا طرۂ امتیاز ہے جس کو علم اسماء الرجال کہ
ہیں یہ علم ماسوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس بھی نہیں۔ مثلاً آج اگر کوئی عیسائی پادری یہودی رابی
یہ دعوی کرے کہ عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے۔ تو ہم اُن سے پوچھیں گے کہ آپ
یہ قول یا یہ فرمان کس واسطے سے پہنچا ہے اور آیا وہ واسطہ سچا بھی ہے یا نہیں اور جس کتاب میں ہے
اس کے مصنف کا کیا مرتبہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو بہت دور کی بات ہے ان کی آسمانی کتابیں اتنی م
اور تحریف زدہ ہیں کہ خود ان کے نزدیک بھی یہ اسی شکل میں موجود نہیں۔ جس شکل میں یہ نازل
تھیں۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کے پاس جو علم اسماء الرجال ہے اس کی بنیاد پر حضورؐ تک والے
ان کے پاس موجود ہیں، جو پوری چھان پھٹک جرح و تعدیل اور تحقیق و ریسرچ کے اعلیٰ ترین معیار
سے گزرے ہیں۔ جن کو خود مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ اسلام کی یہی بدیہی حقیقتیں اور ق
و سنت اور شعائر اسلام کی اس درجہ حفاظت و اہتمام اور پھر سنت رسولؐ پر عرصہ دراز سے مس
کا عمل پیرا رہنا اور پھر اسی سنت نبویؐ سے زندگی کے ہر شعبے میں اس کو اپنے لیے مشعل راہ بنانے
اور اپنے لیے حدیث پاک قرآن کے بعد قطعی دلیل برہان اور حجت ماننا یہود و نصاریٰ کو گراں گزرا
اور مسلمانوں کا اپنے دین و مذہب اور اپنے رسول اور اس کی سنت سے اس درجہ محبت و عقیدت
اخلاص کا رشتہ نبھائے رکھنا۔ تو اسی فخر و امتیاز کو انہوں نے توڑنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے
بنائے۔ اور پھر صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکستوں کے بعد ان کی دشمنی اور ج
انتقام مسلمانوں کے لیے اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ اور انہوں نے ایک گروہ کو مسلمانوں کے علوم و فنو

حاصل کرنے کے لیے مقرر کیا۔ تاکہ جنگی محاذ پر ہارنے کے بعد اب مسلمانوں کا علمی انداز میں اس محاذ پر مقابلہ کیا جائے، اور کسی بھی طریقے اور ہتھکنڈے سے ان کے عقائد و افکار اور دستورِ حیات کی جو عمارت ان ستونوں پر کھڑی ہے (یعنی سنتِ رسول اور احادیثِ مبارکہ) ان کو ہلایا جاسکے۔ تاکہ مسلمانوں کے جو اصل مآخذ اور عمود و مصادر ہیں وہ کمزور اور مشکوک ہوجائیں اور جب اس کی حیثیت کو ہم اپنی نام نہاد تحقیق و ریسرچ کے ذریعے ضعیف اور مشکوک کریں گے۔ تو باقی یقین وعقیدت کی عمارت خود بخود گر جائے گی۔ یہودیوں عیسائیوں اور مستشرقین کے ان خفیہ منصوبوں اور سازشوں کی ایک جھلک کا پردہ ان کے مشہور جاسوس سر ہمفرے نے چاک کیا ہے۔

فتنہ انکارِ حدیث کوئی نیا فتنہ نہیں بلکہ سالہا سال سے یہ فتنہ مختلف تحریکات اور مختلف اشخاص کے روپ میں اپنا سر اُٹھاتا رہا ہے۔ اور اسی سلسلے کی کڑی برصغیر میں سر سید احمد خان اور عبداللہ چکڑالوی تھے۔ جنہوں نے اس تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ اور اس میں ان کو فرنگی سامراج کی مکمل تعاون اور حمایت حاصل رہی۔ بعد ازاں کسریٰ پرویز اور مرزا غلام احمد کے ہمنام غلام احمد پرویز نے انکارِ حدیث کو اپنا مشن بنایا اور بدقسمتی سے وہ شخص اس تحریک کا داعی بنا۔ چونکہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ساتھ خصوصی تعلق کی بنا پر ایک معتبر شخصیت کے حوالے سے ابھرا، اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہوگئی۔ اور میڈیا اور دیگر سہولتیں بھی اس کو میّسر آگئیں۔ مگر الحمد للہ علماء اس سلسلے میں میدان میں اترے اور انہوں نے اس شخص کے مکروہ چہرے کی نقاب کشائی کی، اور یہاں بھی الحق نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا، اور اس فتنہ پر بھرپور ضربیں لگائیں، اور نہ صرف یہ کہ علمی انداز میں ان کا تعاقب کیا۔ بلکہ مسلمانوں کو اس فتنے کے دامِ تزویر میں پھنسنے سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس ضمن میں بہت ہی اہم مضامین ماہنامہ الحق کے صفحات کی زینت بنے۔ اور حجیتِ حدیث کے موضوع پر انتہائی علمی مقالات سامنے آئے۔ حضرت والد صاحب مدظلہ نے اس اہم موضوع کے لیے اپنا قلم وقف کیا۔ اور ایسے زوردار شذرات، علمی اداریے اور نقوش آغاز رقم کیے جس سے بذاتِ خود ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے۔

مزید معلومات کے لیے والد صاحب مدظلہ کے اداریوں پر مشتمل کتاب اسلام اور عصرِ حاضر ملاحظہ فرمادیں اسی طرح اسی موضوع پر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے تحقیق و ریسرچ کے عطر میں ڈوبے ہوئے مقالات اور پھر مولانا مدد اللہ مدرار صاحب کے کئی قسطوں پر مشتمل مضامین الحق میں شائع ہوئے۔ جو کہ بعد میں کتابی شکل میں بھی پرویز اور قرآن کے نام سے طبع ہوئے۔ الحق کے پرانے قارئین کو مولانا محمد زمان حقانی

کے وہ مقالات بھی ذہن میں ہوں گے، جو کہ انہوں نے مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی کی تردید میں لکھے۔ علاوہ ازیں الحق میں وقتاً فوقتاً سینکڑوں صفحات پر مشتمل علمی و تحقیقی مضامین آتے۔ جس سے اس فتنہ کی حقیقت الم نشرح ہو گئی۔

ان ناعاقبت اندیش کج دماغوں اور گمراہان طریقِ صدق و صفا نے تو سوچا تھا کہ ہماری اس نام نہاد تحقیق و ریسرچ کی آڑ میں چودہ سو سالہ پرانی متاعِ عزیز اور جنسِ گرانمایہ و نکتہ ہائے خرد افزا (یعنی ذخیرہ حدیث) کو ضائع اور مشکوک کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ لیکن ایں خیال است و محال است و جنوں۔ اور بقول اقبالؒ۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی!

اس فتنے کے خلاف بھی الحق نے وہی کام کیا جس طرح اس نے فتنہ قادیانیت کی چتہ کو آگ لگائی تھی۔ یمحو اللہ الباطل ویحق اللہ الحق بکلمتہ		(جاری ہے)

قارئین محترم! اللہ کے فضل و کرم سے الحق گذشتہ تیس سال سے اپنی معنوی افادیت کے ساتھ ظاہری حسن عمدہ طباعت اور اپنی علمی و دینی حیثیت میں سرگرم عمل ہے۔ چونکہ اشاعت کا مقصد کاروبار نہیں اس لیے اپنے مصارف میں بسا اوقات مقروض بھی رہا ہے۔ ادارہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین پر زیادہ بوجھ نہ پڑے مگر گذشتہ سال دو سے ہوش ربا گرانی اور مہنگائی کے عفریت نے ہر جگہ توازن کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے کاغذ اور پریس کے اخراجات کسی پر مخفی نہیں ہیں ان مشکلات کے پیش نظر الحق کے بدل اشتراک میں اضافہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ قارئین حسب معمول علم پروری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ معمولی سا اضافہ اپنے لیے بار خاطر نہ سمجھیں گے۔ آئندہ شرح فی پرچہ ۱۲ روپے اور سالانہ ۱۲۰ روپے ہوگی۔ (ادارہ)

مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی وچیئرمین دارالشریعہ، بنگلور (انڈیا)

زکوٰۃ کا اجتماعی نظام اور اس کی اہمیت اور افادیت

اسلامی شریعت کی روشنی میں ایک جائزہ

(۳)

صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ

مذکورۂ بالا تصریحات کے علاوہ اس سلسلے میں خود صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ بھی موجود ہیں کہ اپنے اموال کی زکوٰۃ حکام وقت کو ادا کی جائے۔ اور یہ فتاویٰ متعدد جلیل القدر صحابۂ کرام سے مروی ہیں۔ چنانچہ بطور مثال چند فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

(۱) ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے اپنے مال کی زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا کہ میں اسے کس کے حوالے کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اسے اُس کے حوالے کرو جس کے ہاتھ پر تم نے بیعت کی ہے۔ یعنی خلیفۂ وقت کو۔ ادفعها الی من بایعت [۱]۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی اُموی خُلفاء) جب تک نماز (کا نظام) قائم رکھیں زکوٰۃ انہی کے حوالے کرو۔

ما أقاموا الصلاة فادفعوها الیهم [۲]

(۳) موصوف ہی نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ زکوٰۃ اُن کو دو جن کے سپرد اللہ نے تمہارا معاملہ کیا ہے۔ جس نے نیکی کی تو اپنے لیے کی اور جس نے گناہ کیا اُس کا وبال بھی اُسی پر ہو گا۔

ادفعوها الی من ولاہ اللہ امرکم. فمن برّ فلنفسه، ومن أثم فعلیها [۳]

(۴) سہیل بن ابوصالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ یہ سلطان (اموی خلیفے) جو کچھ (بدد یانتی)

---

[۱] ایضاً، ص ۵۶۸ [۲] ایضاً، ص ۵۶۸ [۳] کتاب الأموال، ص ۵۶۹

کر رہے ہیں وہ آپ حضرات دیکھ ہی رہے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں بھی میں اپنی زکوٰۃ انہی (خلفاء) کو دوں؟ تو سب نے (متفقہ طور پر) کہا کہ ہاں انہی کو دو۔ اِنّ ھذا السلطان یصنع ما ترون، أفادفع زکاتی الیھم؟ قال، فقالوا کلھم ادفعھا الیھم [۱]

(۵) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اپنی زکوٰۃ سلطان (خلیفۂ وقت) کو ادا کرتی تھیں۔ اِنّ عائشۃ کانت تدفع زکاتھا الی السلطان [۲]

ابو عُبید کی رائے

امام ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب الاموال میں صحابۂ کرام رضؓ کے فتاویٰ اور اُن کے عمل کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور اس سلسلے میں علماء کا اختلاف بھی بیان کیا ہے۔ نیز یہ بھی تصریح کی ہے کہ ہمارے خیال میں مذکورہ بالا فتاویٰ اُن لوگوں کے بارے میں ہیں جو سرکاری وظائف حاصل کیا کرتے تھے۔ [۳] اور حضرت ابن عمر رضؓ کا بعد میں اپنے فتاویٰ سے رجوع کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ [۴] پھر آخر میں تحریر کرتے ہیں کہ زکوٰۃ حکام کو ادا کرنا یا انفرادی طور پر خرچ کرنا (اسلامی معاشرہ میں) دونوں طریقوں پر عمل ہوتا رہا ہے اور دونوں طریقوں سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، مگر اپنے طور پر زکاۃ ادا کرنا صرف سونے چاندی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ اگر کسی نے اپنے طور پر ادا کی تو سرکاری نمائندوں کو دوبارہ دینا پڑے گا [۵] کیونکہ وہ زکوٰۃ جس کی ادائیگی پر لوگوں کو مجبور کیا جاتا تھا اور اس کی عدم ادائیگی کی بنا پر اُن سے جنگ کی جاتی تھی وہ مویشی، کھیتیاں اور کھجور ہوا کرتے تھے [۶] اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خاص کر مویشیوں کی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی بنا پر جنگ کی تھی۔ اور اس دور میں لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ بغیر کسی جبر کے رضاکارانہ طور پر خود ہی ادا کر دیا کرتے تھے، کیونکہ وہ اُن کی امانتیں تھیں جنہیں ان کو ادا کرنا تھا۔ [۷]

بعض فقہی مسائل و مباحث

(۱) حاصل یہ کہ اسلام کے دورِ اوّل میں ظاہرہ اور باطنہ دونوں قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی جاتی تھی، مگر اموال باطنہ میں تھوڑی سی چھوٹ بھی تھی۔ اور یہ صورت حال خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضؓ کے دور تک قائم رہی۔ (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) مگر اس میں فرق یہ تھا کہ مویشی اور غلّہ جات کی زکوٰۃ سرکاری نمائندے چراگاہوں وغیرہ میں خود جا کر وصول کر لیا کرتے تھے۔ اور اس میں کسی قسم کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس (جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے) سونے، چاندی اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے گھروں کو نہیں جانا پڑتا تھا

---

[۱] ایضاً ص ۵۶۸ [۲] ایضاً ص ۵۶۸ [۳] ایضاً ص ۵۷۰ [۴] ایضاً ص ۵۷۲
[۵] ایضاً ص ۵۷۳ [۶] ایضاً ص ۵۳۱ [۷] ایضاً ص ۴۳۹

اور نہ اس مقصد کے لیے کسی کی تلاشی لی جاتی تھی۔ بلکہ لوگ عموماً رضاکارانہ طور پر اپنی زکوٰۃ خود ہی لاکر بیت المال میں جمع کردیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت کے اسلامی معاشرہ میں اعتماد باہمی کی فضا قائم تھی۔ اور خدا کا خوف انہیں خیانت کرنے سے باز رکھتا تھا۔ اس لیے وہ اس مال کو ایک امانت سمجھ کر امام وقت کے حوالے کردیتے۔ ہاں البتہ راستوں پر سے گزرتے ہوئے اموال تجارت کی زکوٰۃ سرکاری نمائندے بغیر کسی رُو رعایت کے وصول کر لیتے۔ کیوں کہ وہ اس صورت میں اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں۔ عشر کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) اس سلسلے میں اصولی بات یہ ہے کہ قرآن، حدیث اور دور اوّل کے ضوابط کے مطابق امام وقت کو ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حاصل ہے، جیساکہ بدلائل یہ بحث گزر چکی ہے۔ اور اس سلسلے میں بعض فقہائے احناف کی رائیں بھی اس طرح ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کے دور تک ان ضوابط پر برابر عمل ہوتا رہا، جیساکہ شارح ہدایہ علامہ ابن ہمامؒ تحریر کرتے ہیں۔

ان ظاهر قوله تعالیٰ (خذ من اموالهم صدقة الآية) توجب حق أخذ الزكوٰة مطلقاً للامام۔ وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده[۱]

اور ہدایہ کے ایک دوسرے شارح محمد اکمل الدین (صاحب عنایہ) تحریر کرتے ہیں: وهذا لأن ظاهر قوله تعالى (خذ من اموالهم صدقة) يثبت للامام حق الأخذ من كل مال وكذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده كانوا يأخذون[۲]

لہٰذا جو حق امام کو قرآن، سنت نبوی اور دور اوّل کے خلیفوں سے حاصل ہو وہ ہمیشہ کے لیے باطل اور حرف غلط کی طرح زائل نہیں ہو سکتا۔

(۳) فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کوئی شخص انفرادی طور پر ادا نہیں کر سکتا، بلکہ اسے امام وقت کے حوالے کرنا پڑے گا۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ لیکن اختلاف صرف اموال باطنہ کے بارے میں ہے کہ وہ انفرادی طور پر ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں بھی تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ امام وقت انہیں وصول کرکے تقسیم کر سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ لوگوں کو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے؟ تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کیونکہ خلافت عثمانؓ کے بعد صورتحال میں تبدیلی واقع ہوگئی۔

---

[۱] فتح القدیر شرح ہدایہ، ۲/ ۱۱۹، مطبوعہ پاکستان۔

[۲] عنایہ شرح ہدایہ، برحاشیہ فتح القدیر: ۲/ ۱۱۹

پچھلے مباحث اور دلائل سے بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ دورِ اوّل میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی سرکاری طور پر وصول اور تقسیم کی جاتی تھی۔ مگر دورِ عثمانؓ میں کیا تغیر ہوا اور کیوں ہوا؟ تو اس سلسلے میں فقہائے احناف نے جو اسباب بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) علامہ کاسانیؒ کے بیان کے مطابق دورِ عثمان میں چونکہ مال غنیمت کی کثرت ہو گئی تھی اور اموال باطنہ کی تلاش میں اصحاب مال کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے حضرت عثمان رضؓ نے مصلحت اس میں دیکھی کہ (اموال باطنہ میں) زکوٰۃ کی ادائیگی کا حق مال والوں کو دے دیا جائے

فلما كثرت الأموال في زمانه وعلم أن في تتبعها زيادة ضرر بأربابها رأى المصلحة في أن يفوض الأداء إلى أربابها [۱]

(ب) اور شارح ہدایہ علامہ ابن ہمامؒ نے اس کا جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں اس بات کو ناپسند کیا کہ عاملین زکوٰۃ لوگوں کے پوشیدہ اموال کی جانچ پڑتال کریں۔ کرہ

أن تفتش السعاة على الناس مستور أموالهم [۲]

(۴) مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر حضرت عثمان رضؓ نے مصلحتاً ارباب اموال کو چھوٹ دے دی کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود بھی ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اُن کی حیثیت امام کی جانب سے بطور وکیل یا نائب کی سی رہے گی۔ اسی بنا پر امام کا حق باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی وصولی کا حق اسے حاصل رہے گا۔ لہٰذا امام کو جب معلوم ہو جائے کہ کسی شہر کے لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا نہیں کر رہے ہیں تو اُس وقت وہ (زبردستی بھی) وصول کر سکتا ہے [۳]۔

(۵) علامہ کاسانی اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں کہ جب لوگ اس فریضہ کو برابر انجام دے رہے ہوں تو اس صورت میں امام کو زبردستی اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس سے اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔ حالانکہ موصوف یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تجارتی مال کی زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ اپنے اپنے دور میں وصول کیا کرتے تھے۔ موصوف کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

وأما زكاة التجارة فمطالب بها أيضاً۔ تقدير الأن حق الأخذ للسلطان۔ وكان يأخذها رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر وعمر رضي الله عنهما إلى زمن

---

[۱] بدائع الصنائع : ۲/۷، مطبوعہ کراچی [۲] فتح القدیر شرح ہدایہ : ۲/۱۱۹، مطبوعہ کوئٹہ۔

[۳] بدائع الصنائع : ۲/۷۔

عثمان رضی اللہ عنہ ۔ فلما کثرت الأموال فی زمانہ وعلم أن فی تتبعها زیادۃ ضرر بأربابها رای المصلحۃ فی أن یفوّض الاداء الی أربابها باجماع الصحابۃ ۔ فصار أرباب الأموال کالوکلاء عن الامام ..... فهذا توکیل لأرباب الأموال باخراج الزکاۃ فلا یبطل حق الامام عن الأخذ ۔ ولهذا قال أصحابنا ان الامام اذا علم من أهل بلدۃ أنهم یترکون أداء الزکاۃ من الأموال الباطنۃ فانه یطالبهم بها ۔ لکن اذا أراد الامام أن یأخذها بنفسه من غیر تهمۃ الترک من أربابها لیس له ذلک ، لما فیه من مخالفۃ اجماع الصحابۃ رضی اللہ عنهم [1]

کیا حضرت عثمانؓ نے قرآن اور حدیث کو بدل دیا؟

شرعی دلائل کی رُو سے ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ وصول اور تقسیم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے ۔ خود علامہ کاسانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اس طرح یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ بن گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ارباب اموال کو تھوڑی چھوٹ کیا دے دی گویا کہ امام وقت کا حق ہی ہمیشہ کے لیے زائل ہو گیا ۔ لہٰذا اس موقع پر ایک بہت بڑا اور اصولی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن اور حدیث کے احکام کو کوئی خلیفہ یا امام محض اپنی صوابدید یا مصلحت کی بنا پر بدل سکتا ہے ؟ تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا ۔ اور دوسری بات یہ کہ اس موقع پر کاسانیؒ نے حضرت عثمانؓ کے لیے "رأی المصلحۃ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ یعنی یہ اقدام خلیفہ نے بطور مصلحت کیا تھا ۔ اور اس کی علت کثرت اموال تھی ، جو بربنائے مصلحت تھی ۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر جو فیصلہ کیا گیا وہ بھی ایک عارضی فیصلہ ہونا چاہیئے ۔ اس اعتبار سے جب وہ سبب زائل ہو جائے تو پھر مصلحت بھی بدل سکتی ہے ۔ نتیجہ یہ کہ اسے ایک اجماع قرار دے کر اس حکم کو ابدی اور ناقابل تغیّر قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ اصولی طور پر قرآن اور حدیث کے احکام ابدی اور ہر حال میں مقدّم رہیں گے ، جنہیں بدلنے یا منسوخ کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے ۔ اس کے برعکس مبنی بر مصالح احکام ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ۔

جنہیں کبھی دوام و ثبات حاصل نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ عرف و عادات کے بدل جانے کی وجہ سے خود صاحبینؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بہت سے فیصلوں کے خلاف فتویٰ دیا ہے ۔ غرض اس موقع پر اجماع کی مخالفت کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ کیونکہ یہاں پر علت ، کثرت مال ہے ۔ اس لیے اگر کوئی اسلامی حکومت "قلتِ مال" سے

---

[1] بدائع الصنائع : ۲/۷

دوچار ہو جائے تو اس وقت دورِ اوّل کے حکم پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے مال والوں کو انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ خود ادا کرنے کی بھی آزادی حاصل ہے وہ ایک عارضی فیصلہ یا استثنائی شکل ہے۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کو قرآن و حدیث اور اپنے پیشرو خلفاء کے فیصلوں سے انحراف کرنے یا انہیں منسوخ قرار دینے کا بالکل اختیار نہیں ہے۔ اور احادیث و آثار میں اس طرح کی کوئی بات آپ کی طرف منسوب نہیں ہے۔

(۲) اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ بعض علماء کسی مسئلہ میں بلاوجہ اجماع کا دعویٰ کر کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ مصارف زکوٰۃ ہی کے سلسلے میں ایک مصرف "مؤلفۃ القلوب" کا بھی ہے یعنی تالیف قلب کی خاطر کسی نومسلم وغیرہ کو زکوٰۃ دینا۔ لیکن اکثر فقہاء نے اس مصرف کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ چنانچہ خود علامہ کاسانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں [۱] اور پھر انہوں نے اسے اجماع صحابہ قرار دے کر معاملہ کو کافی مشتبہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو کوئی امام یا خلیفہ تو کیا خود رسول بھی اپنی صوابدید کی بنا پر منسوخ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ حقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اس طرح کہلوائی گئی ہے۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِ نَفْسِي : کہہ دو کہ مجھے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ میں اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ (یونس : ۱۵)

غرض زیر بحث مسئلے میں جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم کا "اجماع" معلوم ہوتا ہے۔

(۳) امام ابوعبیدؒ نے مشہور تابعی ابن سیرینؒ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے پیشرو خلفاء کی سنّت سے انحراف نہیں بلکہ اس پر عمل کیا تھا۔ اور اختلاف جو کچھ ہوا وہ آپ کی شہادت کے بعد رونما ہوا کہ مال باطن کی زکوٰۃ خلیفہ کو دی جائے یا اپنے طور پر ادا کی جائے؟

عن ابن سیرین قال، کانت الصدقة ترفع (أو قال تدفع) الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أو من أمر به والی ابی بکر أو من أمر به والی عمر أو من أمر به، والی عثمان أو من أمر به۔ فلما قتل عثمان اختلفوا۔ فکان منهم من یدفعها الیهم، و منهم من یقسمها۔ وکان ممن یدفعها الیهم ابن عمر۔

ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کے بارے میں معمول یہ تھا کہ وہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو ادا کی جاتی تھی (پھر اسی طرح) ابوبکر یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو ادا کی

---

[۱] کتاب الاموال، ص ۵۶۷ - ۵۶۸

باقی تھی۔ (پھر اسی طرح) ابوبکرؓ یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو (پھر) عمرؓ یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو (پھر) عثمانؓ یا آپ کی جانب سے مامور کردہ افراد کو دی جاتی تھی۔ لیکن جب عثمانؓ شہید ہو گئے تو لوگوں نے اختلاف کیا۔ پھر کوئی انہیں دیتا تھا اور کوئی خود سے (عزباء میں) تقسیم کرتا تھا۔ اور جو لوگ ان (خلفاء) کو دیتے تھے ان میں ابن عمرؓ بھی تھے [۱]

اس اعتبار سے اس روایت اور مذکورۂ بالا دعوائے اجماع میں کھلا ہوا تعارض نظر آتا ہے اور یہ پوری بحث محل نظر دکھائی دیتی ہے۔

(۴) اس سلسلے میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ بقول علامہ کاسانیؒ و دیگر علماء ارباب اموال خلیفے کی طرف سے صرف وکلاء یا نائبین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل حق صرف امام یا خلیفے کو حاصل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا امام یا خلیفہ اپنا حق اُس وقت بھی استعمال نہیں کر سکتا جب کہ حکومتی یا اجتماعی مصالح اس کے متقاضی ہوں؟ اسے صرف لوگوں کی عدم ادائیگی ہی کا انتظار کیوں کرنا پڑے گا؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب کتب فقہ میں نہیں ملتا۔

بعض الجھے ہوئے مسائل

اس سلسلے میں علمائے احناف کے فتاویٰ میں بھی کافی اختلاف دکھائی دیتا ہے اور وہ باہم مختلف و متضاد نظر آتے ہیں۔ یعنی کوئی عالم ان مسائل میں جواز کا فتویٰ دیتا ہے تو کوئی اس کے عدم جواز کا قائل دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ بعض فتاویٰ ملاحظہ ہوں

(۱) فتاویٰ شامیہ میں مذکور ہے کہ اگر سلطان وقت زبردستی زکوٰۃ وصول کرلے اور مال والا زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے تو متاخر علماء کے قول کے مطابق یہ بات جائز ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ ظالم سلطان کو حق ولایت حاصل نہیں ہے۔ لأنه ليس للظالم ولاية أخذ الزكوٰة من الأموال الباطنة [۲]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ عادل سلطان کو حق ولایت حاصل ہے۔ مگر یہ بات صاف لفظوں میں یا عمومی اعتبار سے تسلیم نہیں کی جاتی۔

(۲) فتاویٰ شامیہ ہی میں مختصر کرخی کے حوالے سے مذکور ہے کہ جب امام زکوٰۃ زبردستی وصول کر کے صحیح مصرف میں خرچ کرے تو یہ کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ امام کو زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن قنیہ میں مذکور

---

[۱] کتاب الأموال، ص ۵۶۷-۵۶۸

[۲] ردّ المحتار، یعنی فتاویٰ شامیہ: ۲/۲۷، مطبوعہ پاکستان

ہے کہ اس میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں نیت شرط ہے جو یہاں پر نہیں پائی جا رہی ہے۔ [۱]

(۳) پھر کتاب مذکور ہی میں بحر الرائق کے حوالے سے یہ بھی مذکور ہے کہ اگر یہ بات اموال ظاہرہ میں ہو تو فرض ساقط ہو جائے گا، ورنہ اموال باطنہ میں ساقط نہیں ہوگا [۲]

(۴) اور امام سرخسیؒ نے المبسوط میں، اُن ظالم سلاطین کے بارے میں جو زکوٰۃ، عُشر، خراج اور جزیہ وصول کرتے ہیں، بعض علماء کے اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ ارباب مال کی ادائیگی کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلیں تو اُن کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ والأصح أنه يسقط ذلك عن جميع أرباب الأموال اذا نووا بالدفع التصدق عليهم [۳]

بہرحال قرآن اور حدیث کے صحیح احکام کی رو سے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ میں تفریق کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ افراد کو بھی ایک حد تک انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کا حق ہے، مگر حکومت وقت کا حق، جب کہ وہ خصوصیت کے ساتھ عادل ہو، کسی بھی طرح زائل نہیں ہوسکتا، بلکہ بعض فقہاء (مالکیہ) کے نزدیک عادل امام کو زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ امام کو ادا کرنا واجب تو نہیں ہے، ہاں البتہ جائز ضرور ہے۔ بلکہ امام کاسانیؒ کے قول کے مطابق امام وقت کو ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے اور اسے بلا تفتیش قبول کرلینے کا بھی حق حاصل ہے، جیسا کہ موصوف تحریر کرتے ہیں۔

على الامام مطالبة أرباب الأموال العين وأموال التجارة بأداء الزكوٰة اليهم، سوى المواشي والأنعام۔ وأن مطالبة ذلك الى الأئمة الا أن يأتي أحدهم الى الامام بشئ من ذلك، فيقبله ولا يتعدّى عما جرت به العادة والسنة الى غيره [۴]

بہرحال ان تمام مباحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اسلامی حکومت کو شرعی اعتبار سے ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ وصول اور تقسیم کرنے کا حق حاصل ہے اور حکومت وقت کسی بھی وقت اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنا عوام کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ رضاکارانہ طور پر بھی اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالے کرسکتے ہیں، خاص کر ایسی صورت میں جب کہ حکومت عادلانہ ہو اور زکوٰۃ اپنے صحیح مصارف میں خرچ کر رہی ہو۔

---

[۱]، [۲] ردّ المحتار، یعنی فتاویٰ شامیہ: ۲/۲۷، مطبوعہ پاکستان، [۳] المبسوط، سرخسی: ۲/۱۸۰، مطبوعہ کراچی، نیز ملاحظہ ہو بدائع الصنائع: ۲/۳۶ [۴] بدائع الصنائع: ۲/۳۶، مطبوعہ کراچی۔

باطن ظاہر کب بن جاتا ہے ؟

یہ بحث پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے کہ سونا، چاندی اور مال تجارت صرف اسی وقت تک اموال باطنہ کہلاتے ہیں جب تک کہ وہ شہروں ں میں رہیں۔ لیکن جب وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیے جا رہے ہوں تو وہ پبلک میں آجانے کی وجہ سے ، ظاہرہ بن جائیں گے اور حکومت وقت ان کی بھی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ اس کو رواج دینے والے خلیفۂ دوم ت عمر رضؓ تھے اور اس کا رواج بعد کے اسلامی ادوار میں رہا ہے۔ اس اعتبار سے بطور قیاس موجودہ دور میں اموال حسب ذیل صورتوں میں اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں۔

- وہ روپیہ اور تمسکات جو بنک میں جمع ہوں۔ اور خاص کر وہ روپیہ جو سیونگ بنک اکاؤنٹ میں جمع ہو۔
- وہ زیورات اور قیمتی اشیاء جو بنک لاکروں میں بطور حفاظت جمع ہوں۔
- وہ مال و اسباب جن کا انشورنس کرایا گیا ہو۔
- وہ مال و متاع جو اعلان شدہ ہو۔ ۵۔ وہ مال جو دکانوں اور گوداموں میں جمع ہو۔
- وہ کارخانے اور تجارتی ادارے جن کا باقاعدہ آڈٹ حساب، کتاب موجود ہو۔
- وہ رقم جو شیئر مارکیٹ میں لگائی گئی ہو۔

اس طرح کے بہت سے اعلان شدہ اثاثہ جات ہو سکتے ہیں جو "اموال ظاہرہ" سے ملحق قرار دے کر ان کی ے سکتی ہے۔ اور مال والوں کو ان کی زکوٰۃ کا ایک حصہ (اپنے اعزہ اور پڑوسیوں وغیرہ کو دینے کے لیے) کے حوالے بھی کر سکتی ہے۔ یہ ایک معقول تجویز ہے۔ اور اس سے کسی کو دل شکنی نہیں ہوگی۔

سلامی نظام کی برکتیں

اسلامی نظام کے یوں تو بے شمار فوائد ہیں، مگر اس موقع پر ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کی سماجی، معاشی اور تعلیمی ں سدھارنے کے سلسلے میں ایک بہت بڑا انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ اور اسلام کو ایک مؤثر تحریک بنانے کی راہ منصوبہ بند طریقے سے کام کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ فائدہ صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ مسلم معاشرہ ب سروے کر کے مستحق لوگوں کو اس خدائی امداد سے نوازا جائے۔

۲۔ زکوٰۃ کی تنظیم سے خود معاشرہ کی تنظیم عمل میں آسکتی ہے اور محروم و بے کس افراد میں اعتماد نفس پیدا ہے۔ اور یہ عمل مسلمانوں کی تنظیم اور ان کی اجتماعی زندگی کی طرف پہلا قدم ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کے نظم اجتماعی کے باعث گداگروں کا سدّباب ہو سکتا ہے، جو مسلم معاشرہ کے ماتھے پر کلنک ٹیکہ ہے۔

۴۔ جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق اور حقدار ہیں انہیں دربدر کی ٹھوکریں کھائے بغیر اُن کا حق مل سکتا ہے اور انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۵۔ تنظیم زکوٰۃ کے ذریعے مدرسوں اور اداروں کو بھی گھر بیٹھے منظم طور پر امداد مل سکتی ہے اور وہ چندہ کرنے کی زحمت سے بچ کر اپنی پوری توجہ تعلیمی معیار کو بلند کرنے پر صرف کر سکتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں تعلیمی میں اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔

۶۔ نظم اجتماعی کے ذریعہ ہر شخص اور ہر ادارے کو قابل اعتماد طریقے سے مدد مل سکے گی۔

۷۔ ایک شریف اور خود دار شخص جو ہے تو غریب مگر کسی مالدار کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں عا محسوس کرے گا، لہٰذا وہ کسی کے پاس مانگنے نہیں جاتا۔ کیونکہ وہ اس میں اپنی ذلت محسوس کرتا ہے۔ لہٰذ اجتماعی کی صورت میں ایسے شخص کا وقار مجروح نہیں ہوتا، بلکہ اس کی عزت نفس باقی رہتی ہے۔ چنانچہ اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر کرتے ہیں "اسلام نے زکوٰۃ ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ مقرر کیا ہے کہ دینے و خود کسی کو نہ دیں۔ بلکہ وہ اس کو امیر جماعت کے بیت المال میں جمع کریں۔ اور وہ امیر حسب ضرورت مستحقین کو دے۔ تاکہ اس طرح غریب لینے والا مگر شریف مسلمان ذاتی طور سے کسی دوسرے شخص کا ممنونِ احسان بن کر ذلت محسوس نہ کرے۔ اور دینے والے کو ذاتی طور سے کسی پر منت رکھنے کا موقع نہ ملے۔ اور اس طرح پو قوم کا اخلاقی معیار اپنی پوری بلندی پر قائم رہے۔" [1]

۸۔ زکوٰۃ کا ایک مصرف "فی سبیل اللہ" بھی ہے۔ اور اس کے تحت وہ لوگ آتے ہیں جو اللہ کے راستے میں کام کر رہے ہوں۔ یعنی کسی دینی و علمی خدمت میں لگے ہوئے ہوں۔ ان کا حال ہر شخص نہیں جانتا نہ ہر ایک ان کی اہمیت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو انہیں ان کا حق بجا مل سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں۔

"فقراء میں ان خود دار اور مستور الحال شرفا کو ترجیح دی ہے جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصر ہونے کی وجہ سے نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے۔ اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ اور اپنی آبرو اور خود داری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔" [2]

۹۔ مشہور عرب عالم علامہ یوسف قرضاوی اپنی معرکتہ الآراء کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں زکوٰۃ کے ا نظام پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ، اسلام ایک مکمل اور رہنما پیغام کا حامل ہے۔ وہ عقیدہ و نظا

---

[1] سیرت النبیؐ: ۵/۲۰۳ [2] ایضاً: ۵/۱۷۲

ملاق وقانون کا مجموعہ ہے۔ وہ فرد کی آزادی اور اُس کی تکریم کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ترقی اور بھلائی کا بھی علمبردار ہے
راس چو کھٹے میں زکوٰۃ کا نظام انفرادی طور پر نہیں بلکہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف
رف فقراء ومساکین ہی کے لیے نہیں بلکہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ بھی مقصود ہیں ان کا صحیح اندازہ افراد
ہیں کر سکتے بلکہ اس کا صحیح اندازہ مسلمانوں کی جماعت کے معاملہ فہم لوگ اور اہلِ شوریٰ ہی کر سکتے ہیں، جیسے
بیف قلب، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور اشاعت اسلام کے لیے مبلغین کی تیاری وغیرہ امور کے لیے
سرزح کرنا"[1]

جتماعی نظام کے لیے غیر سرکاری تنظیمیں

اب رہا یہ مسئلہ کہ جہاں پر اسلامی حکومت موجود نہ ہو وہاں کیا کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ
ہ کہ ایسے مقامات پر مسلمان خود اپنی تنظیمیں قائم کر کے یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اور شرعی اعتبار سے
ں راہ میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ایمان باللہ کے بعد ایک مسلمان پر سب سے پہلے جو فریضہ عائد ہوتا
ے وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا ہے۔ جیساکہ احادیث میں مذکور ہے۔ لہٰذا جب مسلمان غیر مسلم حکومتوں میں
ں نماز کا نظام قائم کیے ہوتے ہیں تو زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا ممنوع کیسے ہوگا؟ نماز اور زکوٰۃ دو توأم چیزیں ہیں
ں میں تفریق نہیں کی جاسکتی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ موجودہ دور میں کوئی تنظیم یا ادارہ بذات خود اصحاب مال کے پاس جاکر اموال باطنہ کی زکوٰۃ
صول کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کی وصولی اصحاب مال سے رضا کارانہ ہوگی نہ کہ زبردستی
صول کرنا۔ کیونکہ اسی اصول پر آج تمام مدرسے تنظیمیں اور ادارے چل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں
ب تک اصحاب مال کے پاس پہنچ کر بالمشافہ درخواست نہ کی جائے کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ اور شریعت میں
س قسم کی کوئی ممانعت موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس خدائی امداد سے ہر مدرسہ، ہر تنظیم اور ہر ادارہ مستفید ہو سکتا
ے۔ ظاہر ہے کہ مدارس بھی اجتماعی نظام ہی کی ایک شکل ہیں، جو زکوٰۃ مالداروں سے وصول کر کے مستحق طلبہ کو دیتے
ں۔ اس اعتبار سے اگر کوئی تنظیم یا ادارہ بھی یہی خدمت انجام دے اور مسلم معاشرہ کی بھلائی کے لیے کام کرے
یہ بات غلط کیسے ہو سکتی ہے؟ اور بے جا قسم کے شکوک و شبہات پیدا کر کے اس کی افادیت و معقولیت پر
رف گیری کیسے کی جاسکتی ہے۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جو ادارہ یا تنظیم مال والوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اُس کے

---

[1] فقہ الزکوٰۃ: ۲/۷۵۶، مطبوعہ بیروت، آٹھواں ایڈیشن، ۱۹۸۵ء (ملخص)

مصارف میں خرچ کرتی ہے تو اس کی حیثیت مال والوں کی جانب سے وکیل کی سی ہوتی ہے جو شرعی نقطۂ نظر سے ایک جائز شکل ہے۔ لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ ہر مالدار شخص اپنی زکوٰۃ خود ہی تقسیم کرے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ زکوٰۃ کے مصارف وضوابط سے ناواقف ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ اندھا دھند طریقے سے خرچ کر کے زکوٰۃ جیسی قیمتی شے کو برباد کر دے گا۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے ملّی مصالح پورے نہیں ہوں گے۔

حرفِ آخر

خلاصۂ بحث یہ کہ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے سلسلے میں شرعی اعتبار سے کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے، خواہ وہ سرکاری طور پر ہو یا غیر سرکاری طور پر بلکہ اس قسم کا نظام قائم کرنا اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی کا راز زکوٰۃ کے اجتماعی نظام میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ ملّت اسلامیہ کو حرکت میں لانے اور اسے فعّال وسرگرم بنانے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور اس کے ذریعہ خود اسلامی نظام کو بھی بروئے کار لانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بازوؤں کو مضبوط کرنے کی غرض سے اسے جاری کیا ہے۔ مگر ہماری ناواقفیت اور لاعلمی نے اسے ایک مُردہ اور بے جان سا عنصر بنا کر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا مسلمان جب تک زکوٰۃ کے نظام کو درست نہیں کریں گے وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ مار کھاتے اور اغیار کے محتاج بن کر دنیا والوں کی نظروں میں ذلیل وحقیر تصور کیے جائیں گے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی　　نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

وما علینا الا البلاغ۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

دینی مدارس کے خلاف حکمرانوں کے بیانات

ایک مستحکم منصوبہ بندی اور سوچی سمجھی سکیم کا حصہ ہیں

وزیراعظم پاکستان نے ادیبوں اور دانشوروں کی بین الاقوامی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب
تے ہوئے کہا۔

"مغربی طاقتوں کے اصل ایجنٹ وہ نام نہاد مذہبی پیشوا ہیں جن کے ہاتھوں میں سی آئی اے
کے پیسوں سے خریدی ہوئی بندوقیں اور جیبوں میں جہادِ افغانستان کے نام پر اکٹھے کیے ہوئے
عطیات ہیں۔ انگریزوں اور سی آئی اے نے مذہبی ٹولے کو خیرات اس لیے دی کہ
انہیں کمیونزم سے لڑنے کے لیے کرایے کے سپاہی درکار تھے چونکہ یہ نام نہاد مذہبی پیشوا
"لڑاؤ" اور "حکومت کرو" کی سیاست پر یقین رکھتے ہیں اس لیے مغربی طاقتوں نے اس
مذہبی ٹولے کو عطیات، ہتھیار اور تربیت دی لیکن جونہی مغربی طاقتوں کی یہ جنگ افغانستان
کی بنجر زمین پر ختم ہوئی اس مذہبی ٹولے کو ناکارہ کوڑے کرکٹ کی طرح زمین میں دفن کر دیا۔"

(روزنامہ خبریں یکم دسمبر ۱۹۹۵ء)

ب کہ اس سے قبل وزیر داخلہ نصیر اللہ خان بابر نے کہا۔

"اسلامی یونیورسٹی دہشت گردوں کی پناہ گاہ ہے میرے اختیار میں ہو تو اسے بند کر دوں
این جی اوز اور دینی مدرسے بھی تخریب کار استعمال کر رہے ہیں۔"

(روزنامہ جنگ ۲۱ نومبر ۱۹۹۵ء)

وزیر داخلہ ہوں یا وزیراعظم، کابینہ ہو یا حکومتی کارندے۔ الغرض جس طبقہ کے ہاتھ میں اس وقت ملک
ام کار ہے اس کی ذہنی ساخت اس کی تعلیم و تربیت اور اس کے ذاتی و سیاسی مصالح کا تقاضا ہے
ں ملک میں مغربی افکار و اقدار کو فروغ دیا جائے اور اس ملک کو بھی مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلایا
ے اور موجودہ دینی تصورات، قومی عادات، ضوابط حیات، قوانین و روایات، اسلامی تحریکات، دینی مدارس

اور جامعات اس مقصد میں مزاحم ہوں ان میں ترمیم و تنسیخ کردی جائے یا ان کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔

چنانچہ حکمرانوں نے ملک و معاشرہ کو تدریجی طور پر اور اب عزم و فیصلہ اور ڈھیٹ بے حیائی بلکہ جرأت کے ساتھ مغربیت کے سانچہ میں ڈھال لینے کا قطعی عمل شروع کردیا ہے۔

وزیراعظم اور وزیر داخلہ کے یہ بیانات کوئی دیوانے کی بڑ نہیں اور نہ وزیر داخلہ کے ہدایات کسی فوجی دماغ کا شاخسانہ ہیں بلکہ اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ یہی ہے اور یہ مسئلہ فرضی ہے اور نہ خیالی ہے بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم اور پس منظر میں ایک مستحکم اور مضبوط منصوبہ بندی کے تحت مرحلہ وار پیش رفت سے گزارا جا رہا ہے جب کہ اس سفر کی متعدد اور کٹھن منزلیں پہلے سے طے کی جاچکی ہیں۔

دینی بے حسی کی فضاء، قرب شاہ اور حکومتی وسائل و ثمرات سے استفادہ میں جذبۂ مسابقت، بصیرت و تدبر اور خیر و شر میں تمیز کیے بغیر سیاست کاری اور ریا و نمود اس ملک یا سوسائٹی پر جبراً قابض ہوچکے ہیں، مغربی تہذیب، عریاں ثقافت اور پرُ تعیش معیار زندگی کا عوام گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کر رہے ہیں دینی اقدار اور علوم و معارفِ دینیہ کے خلاف صحافی، ادیب، دانشور اور اہلِ فکر راستہ صاف کر رہے ہیں خیر و شر اور مفید و مضر میں تمیز کیے بغیر اس ملک کے باشندے فاقہ زدوں کی طرح مغربی عریاں فلموں اور مادر پدر آزاد ثقافت پر ٹوٹ پڑے ہیں ساری اخلاقی اور دینی قدریں فنا کردی گئی ہیں، ملک کے رہنما اور رفقاء سیاستدان اور مذہبی زعماء بھی اس صورتِ حال کے سامنے بے دست و پا اور مفلوج نظر آرہے ہیں ان کے ہاتھ سے اب زمام قیادت نکلتی نظر آرہی ہے۔

ملک کی اندرونی کمزوریوں اور مغربی تہذیب کے نفوذ و استیلاء کی کیفیت اور پورے معاشرے اس کے مادی اور سیاسی اقتدار اور دینی مدارس کے بارے میں حکومت کے مذموم عزائم نے ملک ارباب دین و دانش کے سامنے اس مسئلہ کو نہایت روشن، سوالیہ نشان بنا کر کھڑا کر دیا ہے جس کا سب نے دینا ہے اور اس واضح سگنل کے بغیر ملک کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی یہ ذمہ داری آپ کی ہے اور بہی خواہان ملت کی کہ وہ دینی مدارس، اسلامی اقدار اور نبوی نظام تعلیم کے خلاف حکومتی یلغار اور وزیراعظم اور وزیر داخلہ کے مسلسل بیانات کے طومار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں دینی مدارس کے تحفظ، اسلامی معاشرت کے قیام، مغربی تہذیب کے سیلاب بلا کے لیے بند باندھنے مؤنث حکومت کے بے لگام وزیر داخلہ کو لگام دینے اور اس زمانہ کے قاہر تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کون سی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس میں کس حد تک جذبۂ جہاد، جوش ایمان، اور ذہانت

کا ثبوت دیتے ہیں ؟

اگر ارباب علم ودانش اور رہبران قوم وملت چشم وگوش بند کر کے موجودہ حالات میں حکومتی رویہ اور دینی مدارس کو درپیش زبردست چیلنج کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا اس کو یک قلم مسترد کر کے چین کی نیند سوجاتے ہیں اور اپنے جاہ ومنصب اور حلقہ ارادت کی حدود دنیا سے باہر نکلنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہوتے تو پھر وہ بھی زیادہ دنوں تک اعتدال اور سکون کی زندگی نہیں گزار سکیں گے اس بے اعتمادی احساس کمتری اور روحانی کمزوریوں کے ساتھ کوئی قوم، کوئی گروہ اور کوئی فرد زیادہ دنوں تک اپنی انفرادیت باقی نہیں رکھ سکتا ۔

وزیراعظم ہوں یا وزیر داخلہ یا حکومت مشینری کا کوئی کل پرزہ، گذشتہ چند ہفتوں سے انہیں دینی قوتوں، علماء اور دینی مدارس کے خلاف اقدامات اور مسلسل بیانات کا جو ہذیاں ہوگیا ہے ان کی یہ باتیں کسی لاشعوری عالم یا سبقت لسانی اور جذباتی کیفیات کا نتیجہ ہرگز نہیں بلکہ حکمرانوں کو اپنے تمام اہداف کا قطعی علم ہے کہ وہ اپنے آقایانِ ولی نعمت کی کٹھ پتلی ہیں، انہیں پاکستان کی اجتماعی یکسوئی کو ختم کرنا ہے، انہیں ملک کو نظریاتی احساس سے یکسر محروم کرنا ہے، ہرایسی پستی کو رواج دینا ہے جو قرض دینے والے یورپی ممالک اور امریکہ بہادر کو مرغوب ہو، اور اس کے ساتھ اولاً "وقتاً فوقتاً" اور اب کھل کر خم ٹھونک کر ملک کے تمام اسلامی تحریکات، دینی اقدار اور دینی مدارس کی عظمت، تقدس اور عظیم مساعی کو مسخ کر کے بلکہ ان کے مقدس وجود پر جارحانہ حملہ کر کے مغربی دنیا کے سامنے اپنی افادیت پیش کرنی ہے اور تمام حدود کو پھاند کر وہ سارے کام کر ڈالنے ہیں جس سے ان کی انا کو تسکین ہو جوش انتقام ٹھنڈا ہو آقایانِ ولی نعمت کی خوشنودی حاصل ہو ۔ اور ملکی سالمیت کی کشتی ڈوب جائے ۔

ہم بحالاتِ موجودہ اس ملک کے تمام سیاسی عناصر سے، مذہبی رہنماؤں سے تمام سرکاری افسروں سے فوجی قیادت سے، تمام با اثر طبقوں سے، تمام برسر اقتدار حضرات سے ۔ جناب صدر تارڑ اور وزیراعظم بے نظیر سے کہتے ہیں کہ خدا اور رسول ؐ کی مان کر ملت پر رحم کیجئے اسلامی تعلیمات اور قرآنی ہدایات کو دل وجان سے تسلیم کر کے یہاں ایک معقول منصفانہ نظام قائم کرنے کے اقدامات کیجئے اور موجودہ نظام پر اصرار کرنا چھوڑ دیں ۔ علماء، دینی مدارس اور اسلامی مراکز کے خلاف بیان بازی اور گلوخ اندازی کا وطیرہ

ترک کر دیں، ورنہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے برے نتائج سے نہ بچ سکے گا اور غلطیوں کا یہ چکر جس میں ہم پھنس گئے ہیں سب ہی کو لے ڈوبے گا۔

جو لوگ آج برسرِ اقتدار ہیں اور اس لیے خوش ہیں کہ جو ظلم بھی ہو رہا ہے دوسروں پر ہو رہا ہے انہیں کبھی یہ سوچنا چاہیئے کہ ان کے پاس اس امر کی کوئی ضمانت ہے کہ جس طرح وہ آج برسرِ اقتدار ہیں کل ان کی آل اولاد بھی اسی طرح برسرِ اقتدار رہے گی ...... اگر یہ ضمانت کسی کے پاس نہیں ہے تو ایک غیر منصفانہ نظام ملک کے اندر اس وجہ سے چلانا کہ اس وقت بے انصافی کرنے والے ہم ہیں اور ا بے انصافی کا نشانہ بننے والے دوسرے ہیں لہٰذا یہ بے انصافی یہاں چلتی رہنی چاہیئے بہت بڑی تنگ نظری ہے سخت نا عاقبت اندیشی ہے خود اپنے حق میں اور اپنی آئندہ نسل کے حق میں کانٹے بونا ہے یہاں انصاف ہوگا تو سب اس کا فائدہ اٹھائیں گے اور آپ کی آئندہ نسل بھی اس سے بہرہ اندوز ہوگی اگر یہاں مروجہ بے انصافی کا نظام قائم رہے گا تو آج ظلم کرنے والے آپ ہیں اور اس ظلم کو بھگتنے والے دوسرے ہیں کل آپ کی اولاد ظلم کو بھگتنے کی اور ظلم کرنے والے کچھ اور لوگ ہوں گے۔

دینی مدارس کے قیام اور استحکام سے امت کی دلچسپی اسی غرض سے ہے کہ یہاں بے انصافی کا نظام ختم ہو اور اس کی جگہ انصاف کا نظام لے امید رکھنی چاہیئے کہ جو لوگ بھی انصاف کے حامی ہیں اور اس ملک کی بھلائی چاہتے ہیں، وہ اس وقت بے تعلق تماشائی بن کر نہیں رہیں گے اور بغیر جانبدار بنے ہیں تھا اپنی عافیت نہ سمجھیں گے بلکہ اس اسلامی انقلابی جدوجہد میں اپنی حد تک پورا حصہ لینے کی کوشش کریں گے جو اس مقصد کے لیے شروع کی گئی ہے کہ خدا نے اپنے فضل سے جو ملک ہمیں دیا ہے وہ بے انصافی کا نہیں بلکہ انصاف کا گہوارہ بنے آج اگر اس کوشش میں ہم نے کوتاہی کی تو بعید نہیں کہ ہماری ہی آئندہ نسلیں ہمیں کوسیں۔

يا يها الذين امنوا اتقوا الله
حق تقته ولا تموتن
الا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا
بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی ۔

بنیاد پرستی ۰۰۰۰۰ اعزاز یا الزام؟

(۲)

یہ ہماری فکری و تہذیبی کمزوری ہی تو ہے کہ ہم اپنے بچے کو گھٹی ڈالنے کے عمل سے لے کر شادی بیاہ تک، اپنے آغازِ سیاست سے مسندِ اقتدار تک اور الف با سے لے کر تعلیم کی آخری ڈگری تک، دوسروں کے رواج اور معیار کے مطابق ڈھلتے نظر آتے ہیں کبھی ہم اپنے اوپر اپنا رنگ بھی تو چڑھائیں جس سے ہم سے بہت دور کھڑا ہوا شخص بھی ہمیں پہچان کر پکار اُٹھے کہ یہ مسلمان ہے، ہمارا کردار، ہمارا معیار، ہمارے انداز، ہمارے اطوار اور ہمارا چہرہ بشرہ خود ہمارا پتہ اور "شناختی کارڈ" بن جائے، قرآنِ مجید، صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایک جگہ کہتا ہے "سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُن کا چہرہ اُن کے صحابی رسول ہونے کا پتہ دیتا تھا، اُس عہد میں جب کہ ہمارا اپنا معیارِ تہذیب مستحکم تھا کسی کو کسی مسلمان کے پہچاننے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔

یہ باتیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوں گی لیکن دیگ کا ایک چاول جس طرح پوری دیگ کا پتہ دیتا ہے اسی طرح یہ معمولی باتیں ہماری فکری سمت اور عملی روش کا پتہ دیتی ہیں کہ ہم سخت گرم علاقے کے باسی ہیں، مگر ہمارا طرزِ تعمیر یورپ جیسا بنتا جا رہا ہے، جو کہ ٹھنڈا علاقہ ہے، اس بات کا دین یا اصولِ دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن ہماری نقالی کی چغلی ضرور ہو رہی ہے کہ ہم اپنے علاقے کے تقاضوں اور اپنے موسم کے لوازم کو نظر انداز کر کے اپنے گھر اور دفتر بنا رہے ہیں؟ اس لیے کہ ہم نے یورپ میں اس طرح دیکھا ہے۔

جو شخص مالی طور پر ذرا خوشحال یا افسر ہو جائے گا تو شادی بیاہ، دفتر یا تقریب میں گرمیوں کے موسم میں بھی تھری پیس سوٹ پہنے گا کیوں؟ شائد وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں انگریز لگوں گا اور لوگ مرعوب ہوں گے اسی طرح بے ہنگم موسیقی خواہ سمجھ آئے یا نہ، مغرب کی پیروی میں اپنے ہاں رائج کر رہے ہیں، کیوں؟ اسی لیے کہ فیشن کا تقاضا ہے۔

ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا مشترکہ خاندانی نظام تباہ کر رہے ہیں جو ہزار مشکلوں کے باوجود لاکھوں برکتوں اور خوشیوں کا باعث ہے، گھر کا ہر فرد "پرائیویسی" کے چکر میں ہے، ہر ایک کا اپنا کمرہ، اپنے یار دوست، اپنے کھانے پینے کے اوقات، اپنا سونے اور جاگنے کا شیڈول، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ یورپ میں یہی

ماں کی اور بیٹا باپ کا پابند نہیں سو ہم ایسا کر رہے ہیں۔

اس بگٹٹ دوڑ کا یہ نتیجہ سامنے ہے کہ محراب و منبر سے لے کر صحافت اور سیاست تک مقصدیت، سنجیدگی وقار، تقویٰ، خوفِ آخرت اور احترام کے رویے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں، بے یقینی اور اعتماد کا فقدان ظاہر ہے کچھ تو کرشمے دکھائے گا۔

اگر انسان ساری عمر صاف باہر ہی باہر دیکھتا رہے یا آگے آگے ہی دیکھتا رہے تو وہ کبھی اپنے باطن کے حسن سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح وہ اپنے دل آویز ماضی کے شاندار ورثے کی یادوں سے محروم ہو جاتا ہے، حسنِ باطن سے بے خبری اور یادِ ماضی سے محرومی اتنا معمولی نقصان نہیں کہ کوئی شخص کسی اندھے شوق کی خاطر خواہ مخواہ برداشت کر لے۔

بات ہو رہی تھی خود اعتمادی کی جس میں کمی آئی تو ہمیں اپنا "حسن" قبح اور دوسروں کا "قبح" حسن نظر آنے لگا، سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ آتا ہے جو ہمارے لیے مفید مطلب ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں اور اسی طرح کا کلمہ توحید صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھا تھا مگر دونوں میں نفسیات کا بے پناہ فرق ہے انہیں اپنی تہذیب اور اپنے آداب معاشرت پر ناز تھا اور ہمیں دوسروں کے آداب و اصول عزیز ہیں۔

ایک مرتبہ گورنر مدائن (عراق) حضرت سلمان فارسی رضؓ ایک دوسرے ملک کے وفد سے ملاقات کر رہے تھے اس دوران کھانے کا وقت ہوا تو زمین پر دسترخوان بچھا یا گیا، دورانِ طعام حضرت سلمان رضؓ کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر زمین پر گر پڑا آپ نے اُسے زمین سے اٹھا کر جھاڑا اور دوبارہ منہ میں رکھ لیا، آپ کے ذاتی معاون قریب بیٹھے تھے انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا "حضرت یہ لوگ مہذب ملک کے شہری ہیں اور پر تکلف تہذیب کے آدمی ہیں، آپ نے زمین پر گرا ہوا روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ منہ میں رکھ لیا، یہ لوگ کیا سوچیں گے کہ مسلمانوں کو حکومت مل گئی ہے لیکن اتنی نفاست نہیں آئی کہ مٹی میں لتھڑا ہوا لقمہ تک دوبارہ کھا لیتے ہیں" آپ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ "کیا میں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں؟ (أ أترک سنة حبيبي لهولاء الحمقاء) یعنی یہ مسنون طریقہ ہے کہ اگر کوئی حلال اور طیب کھانے کی چیز زمین پر گر پڑے تو از راہِ تکبر اُسے وہاں نہ پڑا رہنے دیا جائے بلکہ صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جائے ورنہ نعمتِ خداوندی کی ناشکری کا الزام آ سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اعتماد جو صدرِ اوّل کے مسلمانوں میں تھا۔ انہیں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں وضع ہونے والے آداب و رسوم کے مقابلہ میں مسجدِ نبوی کے کچے فرش پر ترتیب پائے جانے والی سنتوں اور قائم ہونے والے طریقوں

سے زیادہ طبعی اُنس اور قلبی لگاؤ ہے، دوسروں کے پکے گھر دیکھ کر اپنا کچا گھروندا گرا دینا یا تو بدبختی ہوگی یا پھر بے عقلی!

یہ اور اس طرح کی مثالیں فرائض اور واجبات کا درجہ نہیں رکھتیں کہ انہیں من و عن دہرایا جائے بلکہ ان کے ذریعے میلانِ طبع اور رجحانِ خاطر ضرور متعین ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے تو پرائی جنت ہی کو ہر وقت طمع کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیئے اپنے ہی زورِ بازو سے حاصل کی ہوئی نانِ شعیر پر مدار قوتِ حیدری ہوتی ہے اور یہی مردانِ کار کا شیوہ ہے، غنا مال سے نہیں نظر اور دل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اگر ہمارے پیشینے ایک اصطلاح سن کر چھوٹنے لگیں تو کب سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوسکیں گے؟ اسی خود اعتمادی کے حوالے سے ایک بات حکیم الامت علامہ اقبال کے بارے میں تحریر کرنے کے قابل ہے کہ کسی تقریب میں ایف سی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس کی ملاقات حضرتِ علامہ سے ہوئی ڈاکٹر لوکس نے سوچا ہوگا کہ حضرتِ علامہ "روشن خیال" آدمی ہیں ان سے یہ پوچھ لیا کہ واقعی قرآنِ حکیم ان ہی الفاظ وحروف کے ساتھ پیغمبرِ اسلام پر نازل ہوا یا محض مفہوم وارد ہوا اور الفاظ پیغمبر اسلام کے اپنے ہیں، جس دور میں یہ بات پوچھی جا رہی تھی وہ عہد اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے خاصا پُر آشوب اور فتنہ انگیز تھا، انگریز ہم پر مسلط اور حاکم تھے اور بڑے بڑے "عمائدینِ ملت مسلمہ" معذرت خواہی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے یہٰتی کہ ان کی اس کتر بیونت سے اسلام بے چارہ نیم جان ہو رہا تھا، عقائد سے لے کر تشریح تک میں "گوری سرکار" کی مرضی کے مطابق ترمیم و تنسیخ کے تیشے چلائے جا رہے تھے اور اپنے اچھے خاصے تاریخی قد کاٹھ کو یورپ کے تنگ جامے میں فٹ کرنے کے لیے کاٹا چھانٹا جا رہا تھا، وحی، الہام، ملائکہ، جہاد، جزیہ، حجاب، سود جیسے مسائل کی نئی نئی دل خواہ بلکہ "انگریز خواہ" تعبیریں پیش کی جا رہی تھیں۔ المختصر اس ماحول میں حضرت علامہ کا جواب کس قدر اعتماد افزا، یقین افروز اور ایمان پرور تھا وہ ملاحظہ فرمایئے۔

"آپ نے کہا کہ میرا تمام مسلمانوں کی طرح ایمان ہے کہ قرآنِ حکیم انہی الفاظ وحروف کے ساتھ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، کیونکہ بارہا مجھ پر پورے کا پورا شعر الفاظ وحروف سمیت وارد ہوا ہے میں نے فقط اُسے اپنی بیاض میں نقل کر لیا، اگر مجھ جیسے شخص پر شعر الہام ہوسکتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قرآن اس طرح نازل کیوں نہیں ہوسکتا؟ آج اگر کوئی ناپختہ اور خام خیال "دانشور" اسے حضرتِ علامہ کی خوش اعتقادی قرار دے تو اس کا اپنا قصورِ فہم ہے، اسی خود اعتمادی نے تو حضرت علامہ کو "حکیم الامت" کا منصب بخشا ہے ورنہ وہ ہمیشہ

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ ، اور اسی طرح

؎ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

کی تلقین کرتے رہتے ؟

اس تلقین میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ خود اعتمادی کی کمی انسان میں بے یقینی پیدا کرتی ہے اور بقولِ اقبال

؎ غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

اور یہی بے یقینی انسان کو ایک "لڑھکتا ہوا پتھر" بنا دیتی ہے جو بالآخر سر کے بل کسی اندھی کھائی میں جا کر گرتا اور پاش پاش ہو جاتا ہے ۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا ایک پہلو، جس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ کسی اعزاز یا الزام ، کسی خیر اور شر اور کسی فائدے اور نقصان میں رد و قبول کا معیار کیا ہونا چاہیئے ! یہی معیار ہی ہے جو قوموں کی اقدار تشکیل دیتا ہے اور انہیں اقدار کی بدولت قوموں کے گرنے یا سنبھلنے کے رویے ترتیب پاتے ہیں اگر ہر بات کو اس کا سیاق اور سباق جانے کے بغیر قبول یا رد کر دیا جائے تو پھر کوئی بات بن ہی نہیں سکتی ۔

آج امریکہ اگر ہمیں "بنیاد پرست" کہتا ہے اور ہم فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں کہ نہیں ہم بنیاد پرست نہیں ہیں یعنی آپ کے مفہوم کے مطابق "تاریک خیال ، جنگجو ، قدامت پسند اور روایت پرست" نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو امریکہ ہمیں "کلمہ گو" کہہ کر چھیڑنا شروع کر دے اور اسی کا مفہوم یہ بتائے کہ "کلمہ گو" کا مطلب وہم پرست ، اکھڑ ذہنی اور بزدل ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہتا ہے ، دکھ تکلیف میں نمازیں پڑھتا ہے ، آخرت میں ثواب و عذاب کو مانتا ہے تو کیا ہم فوراً وضاحتوں پر اتر آئیں اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں کہ نہیں ہم "کلمہ گو" نہیں ہیں ، ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں اور "کلمہ گو" کا جو مفہوم امریکہ متعین کر دے ہم اسے "الہام ربانی" سمجھ کر اس پر ایمان لے آئیں ، ظاہر ہے یہ سلسلہ پھر کہیں رکتا نظر نہیں آتا تو کیوں نہ "گربہ کشتن روزِ اوّل" کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے علی الاعلان کہہ دیں کہ ہم بنیاد پرست ہیں ، ایک کچی کوٹھڑی بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی تو ایک امت ایک قوم اور ایک ملت بغیر بنیاد کے کیوں کر اقوام عالم کی صف میں اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے ؟

رہا بنیاد پرست کا وہ مفہوم جو امریکہ سمجھتا اور ہم پر چسپاں کرتا ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہیئے کہ تاریک خیال ، جنگجو اور توہم پرست ہم نہیں تم ہو ، ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھ لو جب اسلام کا نور اور قرآن کا پیغام دنیا کو منور اور انقلاب آشنا کر رہا تھا یورپ اندھے غاروں پر پڑا ہوا تھا ، معمولی نظافت تک کا یورپ کو علم نہیں تھا ، تہذیب تو دور کی بات ہے ، صلیبی جنگیں ہمارا نہیں تمہارا ورثہ ہے ، ہمارا سفر

رارقم سے شروع ہوکر فتح مکہ پر منتج ہوا اس دوران نہایت معمولی خون بہا ، اتنا کہ جس قدر عام انسانی دنیا میں
ول کے مطابق قتل ہوتے ہیں ، اور تم ہو ہمیں جنگجو کہنے والے ، جب کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی آب وہوا تمھارے
شیانہ حملوں اور انسانی قتلِ عام کی بو سے اب تک مسموم اور روزِ محشر تک آلودہ رہے گی ، ہم مسلمان آج بھی
ن وسنت کی روشنی میں حق اور باطل کا واضح عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حق اور باطل اضافی صیغے
ں بلکہ دائمی اصطلاحات ہیں دونوں واضح اور طے شدہ ہیں ، دونوں میں حد فاصل ازل سے ابد تک قائم رہے
لیکن تمھارے نزدیک حق صرف طاقت کا نام ہے اور باطل کا مفہوم حالات کے تحت آئے روز بدلتا رہتا ہے
لحاظ سے تاریک خیال تم ہو یا ہم ہیں ؟

گزشتہ نصف صدی کی تاریخ ہی اُٹھا کر دیکھ لی جائے اور آزادی کی تحریکوں میں ہونے والی خونریزی
اب کھول لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان خونخوار ہیں یا یورپ اور امریکہ کے منہ کو خون کی چاٹ لگی ہوئی
، لیبیا میں سنوسی کی تحریک ہو یا الجزائر کی خون آشام جدوجہد ، مسئلہ کشمیر ہو یا جلیانوالہ باغ ، ویتنام کا معرکہ
یا افغانستان کی جنگ ، اور عراق پر خون بار حملہ یہ کون سے تاریخ کے خفیہ گوشے ہیں جو کسی کو معلوم نہ ہوسکیں ؟

ذرائع ابلاغ کے ذریعے پراپیگنڈے کے زور پر نہ تاریخ مسخ ہوتی ہے اور نہ امر واقع تبدیل ہوتا ہے
وہ اُمت ہیں جس کے ہر فرد کے لیے ہمارے خدا ، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، ہمارے دین اور ہمارے
ن نے جو نام پسند کیا ہے وہ "مسلم" ہے اور ہمارے نام ہی میں "سلامتی" کا جوہر مضمر ہے ، ہے کوئی دوسری
ت ، ملت یا قوم جو اس باوقار اور امن کے علمبردار نام سے موسوم ہو ؟ ۔

امریکہ اور یورپ کی یہ بھٹسے بازی تو اس اُردو کہاوت کو صحیح ثابت کررہی ہے کہ اُلٹا چور کوتوال کو
نٹے ، "جس ملت کا خدا "رب العالمین" ، جس اُمت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم "رحمۃ اللعالمین" جس قوم کا
بطۂ حیات "ہدی للعالمین" اور جس جماعت کا اپنا نام "المسلمین" ہو غضب خدا کا اُسے استعماری
نتیں "جنگجو" تاریک خیال اور علم دشمن کہیں ، فیا للعجب ۔

سورج کو لگے دھبہ فطرت کے کرشمے ہیں بت ہم کو کہیں کافر ، اللہ کی مرضی ہے

اب ذرا بات خاص اس حوالے سے ہو جائے کہ یورپ اور امریکہ کی طرف سے اس نفسیاتی یلغار کا مقصد
ہے کہ وہ ہمارے ہی نت نئے نام گھڑتا اور ہم سے ایسے القاب منسوب کرتا ہے جو اپنی ترکیب میں تو اتنے
نہیں ہوتے مگر یورپ اور امریکہ کا پراپیگنڈہ انہیں ایٹم بم کی طرح خوفناک اور گالی کی طرح شرمناک بنا دیتا
۔ ہمارے نزدیک اس نفسیاتی ٹیکنک کا واحد مقصد مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی قوتِ مزاحمت کا امتحان
ہے کہ آج کل مسلمان کس پانی میں ہیں ؟ انہیں اپنی جڑ بنیاد سے اکھاڑنے کا وقت آگیا ہے یا ابھی انتظار

کرنا پڑے گا؟ بدقسمتی سے ہم اس معاملے میں کمزور نفسیات کے لوگ واقع ہوئے ہیں کہ ابھی امریکہ کے منہ سے
کے الفاظ پورے طور پر ادا نہیں ہو پاتے کہ ہم پہلے لجانا اور کسمسانا شروع کر دیتے ہیں اور دائیں بائیں سے لغت
کتابیں ڈھونڈھ کر معذرت کے الفاظ تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

آج ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے "بنیاد پرست" ہونے کی تردید کر کے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کر
ہے مگر اس کا کیا علاج کہ امریکہ اور یورپ شاید ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں اور وہ ہم سے
کہ تم کس طرح "بنیاد پرست" نہیں ہو جبکہ تمہارے ملکوں کے نام کے ساتھ اکثر "اسلامی جمہوریہ" کا لفظ آتا ہے
تمہارے ہاں "مذہبی امور" کی باقاعدہ وزارتیں ہیں تم ہر سال حج پالیسی بناتے ہو، تمہارے اجلاسوں کا آغاز
"تلاوت" سے ہوتا ہے۔ مصافحہ کے وقت تم "السلام علیکم" کہتے ہو، تقریر کا آغاز "بسم اللہ" سے کرتے
ہو، تمہارے قومی ترانے میں "سایۂ خدائے ذوالجلال" آتا ہے۔ پاکستان کا دارالحکومت "اسلام آباد"
ہے اور اکثر اسلامی ملکوں کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔

فلہذا "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کے مصداق ہمیں یورپ اور امریکہ سے ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ ایک
نہیں دوسرے، دوسرا نہیں تیسرے بہانے سے ضرور ہمیں بدنام اور زچ کرتے رہیں گے اور ہم کہاں کہاں اور
کس بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے؟۔

قرآنِ حکیم نے واضح طور پر قرار دیا ہے کہ "تم جب تک اپنا دین نہیں بدل دو گے وہ تم سے راضی نہیں ہو
گے" مغرب کو ہماری شکل و صورت اور افرادی و مالی وسائل سے خطرہ نہیں اُسے ہمارے نظریۂ حیات سے خطرہ
ہے جو فی الواقع اور اُن کی نظر میں بھی حیات آفرین، طاقتور، زندہ، متحرک اور ہر چیلنج کا سامنا کرنے والا نظریہ
ہے۔ اگر تو ہم اپنے نظریۂ حیات سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں تو یہ بات بالکل دوسری ہے لیکن اسلام کے
کن کردار کی موجودگی میں یورپ اور امریکہ ہم سے کبھی خوش اور مطمئن نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی، معاشی
دماغی ساز و سامان، فنی صلاحیت اور استحکامِ حکومت جیسے امور میں ہم سے بہت آگے ہیں اگر وہ ہم سے پیچھے ہیں تو
نظریاتی قوت ہے جس سے وہ محروم ہیں، حیات و کائنات کے اُن روحانی اصولوں اور ضابطوں سے محروم ہیں جس
ان کا پورا نظامِ معاشرت ایک مستقل خلاء کا شکار ہے جسے وہ ایٹم بم اور دولت کے زور سے پُر نہیں کر سکتے۔

اُن کی یہ خواہش طشت از بام ہوا چاہتی ہے کہ کمیونزم خواہ جیسا بُرا بھلا نظام تھا بہرحال اپنی پُشت پر ایک
نظریاتی قوت رکھتا تھا اور ان کے لیے ایک چیلنج اور دردِ سر تھا جسے مغرب کی قوت نے پاش پاش کر دیا۔ اب ان کیلئے
مسئلہ صرف "اسلام" رہ گیا ہے وہ اسے بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تب جا کر امریکہ اور یورپ کو سکون نصیب ہو گا، اس
لیے ان کی نفسیاتی یلغار کا ہر راستہ اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ

لے پہل "بنیاد پرستی" کا چرچا کرے گا اور رفتہ رفتہ اس "بنیاد پرستی" کو "دہشت گردی" کا مترادف بنا دے گا، وہ جس
ے کو اپنی غنڈہ گردی کا نشانہ بنانا چاہے گا اس پر "بنیاد پرست" ہونے کا لیبل چسپاں کر دے گا اور اس کا مطلب
دہشت گرد" ملک ہوگا تو اگلے قدم کے طور پر ان اداروں کی وساطت سے رجو خود اس کے محتاج اور دست نگر ہیں)
داد یں منظور کرائے گا قبل ازیں بھی ایسی قراردادیں موجود ہیں کہ "دہشت گرد" ملکوں کے خلاف سخت ترین کارروائی ہو سکتی
ایسے ملکوں کی اقتصادی ناکہ بندی سے لے کر براہِ راست ان پر فوج کشی کی جائے گی۔

حلیف یورپی ملکوں کے عوام کی رائے اور ردعمل سے بچنے کے لیے پہلے سے نفسیاتی محاذ کھولنا امریکہ کی پالیسی اور حکمتِ
ی کا حصہ ہے تاکہ وہ اپنے حلیف ملکوں اور ان کے عوام کو باور کرا سکے کہ جس کے خلاف فوجی کارروائی ہو رہی ہے
"دہشت گرد" ملک ہے اور اس کارروائی کا اخلاقی جواز ہے اس مرحلے پر پہنچ کر ہماری سوچ کے دو دھارے
رہمارے لیے انتخاب کے دو راستے ہیں۔

اولاً ہم برابر "بنیاد پرستی" کے الزام کی تردید کرتے رہیں اور یوں "دہشت گردی" کے لیبل سے بچ جائیں۔

ثانیاً ہم ڈنکے کی چوٹ پر خود کو "بنیاد پرست" تسلیم کریں اور اپنا مدعا اور مفہوم واضح کرتے رہیں۔ لہٰذا بظاہر
لا راستہ محفوظ اور محتاط راستہ ہے اور ہمارے بعض دانشور اور تجزیہ نگار اسے منتخب کر رہے ہیں اور دوسرے راستے
رہ جذباتی اور اشتعال انگیز بتلاتے ہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں آخر الذکر دوسرا راستہ ہی بقاء اور استقلال کی ضمانت فراہم کرے گا، کیونکہ امریکہ کی
بت ٹھیک ہوتی تو وہ اور اس کے ذرائع ابلاغ اور زیرِ اثر اور حلیف ممالک کے "دانشور" ہمارے لیے یہ لقب
ختراع نہ کرتے، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ اصطلاح محض "چلمن" ہے اس کے پیچھے اصل "چہرہ" دیکھنے کی
ورت ہے جو بڑا بھیانک اور مکروہ ہے اور یہ چہرہ ایسے سانپ کا چہرہ ہے جس کے دو منہ اور بے شمار کینچلیاں ہیں، جنہیں
بدلنے میں ذرا دیر اور تامل نہیں کرتا۔

کشمیر میں اس کا چہرہ اور ہے، الجزائر میں اور، وہ چاہے تو پوری وادی کو خاک و خون میں لوٹانے والے
ارت کو سب سے بڑی جمہوریہ" کی سند دے دے اور چاہے تو الجزائر میں انتخاب جیتنے والے فرنٹ کو "بنیاد
ست" قرار دے دے۔ جس طرح شیر پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ انڈے دے یا بچے! اسی طرح امریکہ پر بھی کوئی
نہیں کہ دیو کو پری، اور پری کو دیو ثابت کر دے۔

اگر ہمارا رویہ معذرت خواہانہ رہا تو وہ ہمارا گھیرا اور تنگ کرتا جائے گا تا آنکہ ہمیں اپنی شرائط منوانے
بیور کر دے گا اور ہماری معذرتوں کو الٹا ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔

(بقیہ ص ۵۹ پر)

جناب محمد یونس میو صاحب ۔

محدث وقت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ سے علامہ اقبال کی عقیدت اور استفادہ

کلام اقبال میں مُلّا پر جو تنقید ملتی ہے اس کو علماء کرام پر منطبق کرنا ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے جو لوگ اس خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں یا تو وہ جناب اقبالؒ کے خیالات و افکار سے نابلد ہیں یا محض اسلام اور علماء اسلام سے اپنے بغض کا اظہار کرتے رہتے ہیں یا ر لوگ بات بات پر ڈاکٹر صاحب کو علماء اسلام کا فکری حریف اور ناقد ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر کے اقبالیات سے اپنے جہل مطلق کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

دوسری طرف اقبالؒ دوست احباب جانتے ہیں کہ وہ مروّجہ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ جس کا انہیں ہمیشہ افسوس رہا۔ آپ روایتی عالم دین نہ ہونے کے باوجود علم و فضل کے پیکر تھے۔ علامہ اقبال ایک عظیم مفکر، فلسفی، قومی شاعر اور مغرب کے نقاد تھے۔ آپ ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود علماء حق سے استفادہ کو اپنی خوش قسمتی خیال کرتے تھے۔

آپ کے علامہ شبلیؒ نعمانی، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمود الحسن بانی ریشمی رومال تحریک، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا غلامؒ مرشد، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، پیر محمد علی شاہ صاحب، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر ہم عصر علماء کرام سے گہرے روابط تھے۔ علاوہ ازیں امام ابن تیمیہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ، شہید احمدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا سید جمال الدین افغانی اور مولانا رومیؒ سے عقیدت و محبت بھی قابل ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علماء کرام کو نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہیں اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں اس کا قائم مقام سمجھتے تھے اپنی رائے کو علماء کی رائے کے مقابلے میں قطعاً اہم نہ سمجھتے تھے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ اس سے جہاں علامہ اقبال کی علمی عظمت کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں علماء کی حیثیت ایک قانون ساز ادارے کی تھی۔

لفظ مُلا کا عروج و زوال

مُلا فارسی زبان کا لفظ ہے ۔ س کا ایک معنیٰ آقا اور دوسرا غلام ہے ۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور URDU ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM (PUL) کی تحقیق کے مطابق اسلام کی پہلی چار صدیوں میں علماء کرام کے ناموں کے ساتھ مُلا ۔ مولوی اور مولانا کے الفاظ کی بجائے علامّہ، الفاضل ۔ الصدر ۔ الامام کے الفاظ استعمال ہوتے تھے ۔ ساتویں صدی ہجری کی فارسی کتابوں میں مولانا کا لفظ داخل ہوا ۔ جب کہ تیموریوں اور صفویوں کے زمانے کے تذکروں اور کتابوں مثلاً مجالس النفائس از میر علی شیر نوائی اور حبیب السیر از خواند میر میں مولوی اور مُلّا کے القاب پائے جاتے ہیں ۔ ہندوستان میں بابر ۔ اکبر اور جہانگیر کے ادوار میں یہ لفظ بڑے اعزاز کا حامل تھا ۔ ایران اور خراسان میں بھی یہ لفظ (مُلّا) مولوی یا مولانا پر ترجیح حاصل کرتا نظر آتا ہے ۔ کیونکہ اکثر بلند پایہ علماء کرام مُلّا ہی کہلاتے تھے ۔ بلا قید عہد و زمانہ دیکھئے ۔ مُلّا علی قاری ۔ مُلّا دوانی ۔ مُلّا جلال ۔ مُلّا مبارک ۔ مُلّا عبدالنبی ۔ مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ لیکن دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی، معاشرتی، معاشی مذہبی و عرفی حالات نے ان الفاظ (مُلا ۔ مولوی ۔ مولانا) کی ترتیب فضیلت بھی بدل دی چنانچہ صفوی دور کی تصنیف تحفہ سامی میں "مولانا" کا رتبہ زیادہ معلوم ہوتا ہے ۔ مولوی اس سے کم اور مُلا عام خواندہ آدمی کے لیے استعمال ہوا ۔ لفظ "مولانا" نے اپنے مقام و مرتبہ کو قائم رکھا اور مستند اور باوقار علماء کی صحبت اختیار کی یہی بات مولوی کے بارے میں کہی جا سکتی ہے ۔ لیکن مُلا کا لفظ مسلسل زوال پذیر رہا یہاں تک اب یہ لفظ قرآن و حدیث سے ناواقف جاہل محض قصہ خواں واعظ رسم و رواج کا پابند اور کفن دفن سے متعلق حضرات کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے ۔ اور اسی مفہوم میں جناب اقبال نے استعمال کیا ہے ۔

مُلّا کی تحقیر میں بے دینی قوتوں کا بہت بڑا حصّہ ہے ۔ اس لیے کہ استعمار کی مخالفت میں علماء کرام پیش پیش تھے ۔ انگریزی دور میں شیخ سنوسی کو (MAD MULLA) کہا جاتا تھا ۔ یہ انداز تحقیر آج بھی جاری ہے ۔ مغرب زدہ استعمار پسند طبقہ اب مُلا کی اصطلاح کو اُن علماء کرام پر چسپاں کرنے کی فکر میں ہے (تاکہ اپنے امریکی اور انگریزی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرے) جن کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ۔

> "ارباب دیوبند ہوں یا علماء کی کوئی دوسری جماعت میرے دل میں ان کے جذبۂ آزادی ان کی انگریز دشمنی اور دین کے لیے غیرت و حمیت کی بڑی قدر ہے"
>
> (اقبال کے حضور ص ۲۹۷)

علامہ سیّد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ اقبال کی ملاقات

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی علامہ اقبال (نابغہ ... نورس ۱۹۷۳ء) میں مولانا سیّد انور شاہ کشمیریؒ

ڈاکٹر اقبال کی پہلی ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں۔
"ہندوستان میں سیاسی طور پر ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۲ء تک کا زمانہ بڑے ابتلاء کا زمانہ تھا چنانچہ جمعیۃ العلماء نے تجویز کیا کہ ایک جلسہ عام ان سیاسی حالات کے ماتحت کیا جائے۔ اس جلسہ کے روح رواں اور ہر دل عزیز مولوی عبدالقادر قصوری وکیل تھے۔ یہ عظیم الشان جلسہ ۱۹۲۱ء میں لاہور کے بریڈ ہال میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی۔ افتتاحی تلاوت مولانا طاہر دیوبندی نے کی تھی۔ صدر مولانا آزاد کی تجویز کی تائید میں کئی علماء نے تقاریر کیں لیکن جو تقریر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا فاخر کا بنوری نے کی وہ شاہکار تھی۔ اس جلسہ میں اوّل مرتبہ میں نے خود علامہ اقبال اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا تعارف کرایا تھا۔"
(بادشاہی مسجد لاہور ص ۳۷)

مکتوب بنام سید انور شاہؒ

مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ مارچ ۱۹۲۵ء میں انجمن خدام الدین کے جلسہ میں تشریف لائے تو علامہ صاحب کو اس کی خبر ہوئی۔ آپؒ علماء کی صحبت کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے علامہ سید انور شاہ اور دیگر علماء کو اپنے یہاں مدعو کیا یہ خط اقبالؒ کے علماء کا احترام اور تواضع کا بہترین ثبوت ہے۔ لکھتے ہیں

مخدوم مکرم حضرت قبلہ مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا ہے۔ کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسہ میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرماویں گے۔ میں اپنی بڑی سعادت تصوّر کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔ جناب کی وساطت سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولوی شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔
(اقبال نامہ۔ دوئم۔ ص ۲۸۷)

جناب محمد حامد صاحب پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ علماء حق جو دراصل اسلاف کی روشن یادگار تھے علامہ کو بے حد عزیز تھے اور آپ ان سے اخلاص کا تعلق رکھتے تھے۔ وہ جس طرح علامہ انور شاہ صاحب کو مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا کے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں اور عریضے کو شرف قبولیت بخشنے کی التجاء کرتے ہیں وہ جہاں اقبال کی نیازمندی اور علم کی قدر دانی کا بیّن ثبوت ہے وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ نے اس نوع کا خط کسی بڑے سے بڑے خان بہادر۔ گورنر۔ جج یا کسی بھی مسٹر کو تحریر نہیں کیا۔ ان کے تمام خطوط کے مجموعہ میں اس درجہ نیازمندی کا اظہار

شاہ ہی کہیں اور ہوا ہو۔ (افکار اقبال ۔ ص۲۱۵)

خطابتِ شاہی مسجد کی پیشکش

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں ۔ ایک مرتبہ اتفاق سے علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ لاہور تشریف لائے اور راقم (ڈاکٹر چغتائی) کے مکان کے قریب تکیہ سادھواں (اندرون موچی دروازہ لاہور) پیر عبدالغفار شاہ کے یہاں مہمان ہوئے ۔ ان کی دعوت پر اردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں وعظ کیا ۔ اس وقت ادھر آپ کی موجودگی میں لاہور میں علامہ اقبال نے دونوں تنظیموں (انجمن اسلامیہ پنجاب اور انجمن حمایت اسلام لاہور) سے معاملہ فہمی کر لی تھی کہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو آپ خطیب بادشاہی مسجد اور ادھر اسلامیہ کالج میں علوم دینیہ کے سربراہ ہوں گے ۔ مگر افسوس ہے کہ اس وقت کسی قدر حضرت قبلہ علامہ کشمیری کے اپنے بعض نظریات یہاں آنے میں حائل ہوئے کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے پہلے موجودہ انتظامات میں ان کی شخصیت کی وجہ سے کسی کی حق تلفی ہو۔ (بادشاہی مسجد لاہور ص۳۷ ۔ ۳۸)

فقہ حنفی کی جدید تدوین

مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب کے دارالعلوم سے استعفیٰ کے چند روز بعد علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اپنی خوشی کا اظہار کیا میں نے بڑے تعجب سے عرض کیا آپ کو دارالعلوم دیوبند کے نقصان کا کچھ ملال نہیں فرمایا ہاں ملال ہے مگر دارالعلوم کو تو صدر المدرسین اور مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی ۔ لیکن اسلام کے لیے جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں اس کو شاہ صاحب کے سوا کوئی دوسرا سرانجام نہیں دے سکتا ۔ پھر فرمایا آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے ۔ جس میں زندگی کے ان سینکڑوں ، ہزاروں مسائل کا صحیح حل پیش کیا گیا ہو جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی ۔ سیاسی ، معاشی اور سماجی احوال وظروف نے پیدا کیا ہے ۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کام کو میں اور شاہ صاحب دونوں مل کر ہی کر سکتے ہیں اس وقت عالم اسلام میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اس عظیم ذمہ داری کا حامل ہو سکے ۔ پھر فرمایا یہ مسائل کیا ہیں ؟ اور ان کا سرچشمہ کیا ہے ؟ میں ایک عرصہ سے ان کا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا ہوں ۔ یہ مسائل میں شاہ صاحب کے سامنے پیش کروں گا اور ان کا صحیح اسلامی حل کیا ہے ؟ یہ شاہ صاحب بتائیں گے اس طرح ہم دونوں کے تعاون و اشتراک سے فقہ جدید کی تدوین عمل میں آجائے گی (رجحانات ...)

علامہ کشمیری کی خدمت میں تار اور قاصد

علامہ اقبال کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح شاہ سید انور شاہ کشمیری لاہور ہی میں قیام فرمائیں چنانچہ جب آپ نے بعض انتظامی امور کی بنا پر دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کی تو علامہ اقبال نے

شاہ صاحب کو ایک تفصیلی تار دیا جس میں شاہ صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ اب آپ لاہور تشریف لائیں اور یہاں مستقل قیام فرمائیں۔ مرتب "میں بڑے مسلمان" جناب عبدالرشید ارشد صاحب مولانا عبدالحنان ہزاروی کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں ان دنوں لاہور اسٹریلیا جامع مسجد میں خطیب تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے دیوبند ایک تفصیلی تار دیا جس کے ساتھ جوابی تار بھی تھا جس کا کوئی جواب نہ آیا تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے دیوبند بھیجا کہ تم جاکر زبانی عرض کرو۔ میں گیا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو وہ تار اس وقت دیا گیا جب ڈابھیل والوں نے اصرار کرکے وہاں تشریف لے جانے پر رضامند کرلیا تھا۔ میں ملا تو فرمایا افسوس کہ آپ کا پیغام بعد میں ملا اور ڈابھیل والوں سے وعدہ کرچکا تھا (حاشیہ۔ میں بڑے مسلمان صـ۲۷۷)

ڈاکٹر صاحب کا علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ

شاہ صاحب لاہور تو نہ آسکے لیکن ڈاکٹر صاحب ان سے برابر استفادہ کرتے رہے۔ اپنے سوالات و شبہات بالتفصیل مولانا کو لکھتے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب فرماتے ہیں۔

"ان کے آٹھ آٹھ صفحات کے خطوط سوالات و شبہات سے پُر آتے تھے اور حضرت سید انور شاہ کشمیری اُن کے شافی جوابات لکھتے۔" (نور الانوار۔ درحیات انور صـ۲۲۵)

رسالہ "ضرب الخاتم علی حدوث العالم" سے استفادہ

مولانا انور شاہ کشمیری نے چار سو (۴۰۰) اشعار پر مشتمل ایک منظوم رسالہ علم الکلام و فلسفہ کے موضوع پر تحریر فرمایا تو اس کی ایک کاپی جناب اقبال کو بھی ارسال فرمائی جنہوں نے اس رسالہ کو بہت پسند فرمایا۔

جناب عبدالرشید ارشد مولانا سعید احمد اکبرآبادی سے روایت کرتے ہیں کہ جناب علامہ اقبال نے ایک صحبت میں فرمایا کہ میں تو مولانا انور شاہؒ کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ وقال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک و بصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث العالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے سچ تو یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ مولانا اکبرآبادی مزید لکھتے ہیں کہ اس کے بعد علامہ اقبال نے وہ رسالہ میرے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس میں چار شعر ایسے ہیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے ان پر نشان لگا دیا ہے۔ آپ دیوبند جائیں تو یہ نسخہ ساتھ لیتے جائیں اور شاہ صاحب سے ان کا مطلب دریافت کرتے آئیں۔ میں نے دیوبند جاکر وہ رسالہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کرکے ڈاکٹر صاحب کا پیام پہنچایا لیکن حضرت نے مجھ کو ان اشعار کا مطلب سمجھانے کی بجائے یہی مناسب خیال فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب

کو فارسی میں ایک طویل خط لکھیں اور اس میں ان اشعار کا مطلب بھی تحریر فرما دیں۔ یہ خط میں دستی لے کر لاہور آیا اور ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیا۔" (بیس بڑے مسلمان ص ۳۷۶)

مسئلہ زمان ومکان میں استفادہ

مسئلہ زمان ومکان میں بھی علامہ اقبال نے مولانا انور شاہ صاحب سے رجوع کیا ۱۹۲۸ء میں اورنٹیل کالج کانفرنس لاہور زیر اہتمام پنجاب یونیورسٹی شعبہ عربی و فارسی کے صدر کی حیثیت سے اپنے انگریزی میں صدارتی خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"مشہور حدیث لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ میں دہر بمعنی (TIME) کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید انور شاہ کشمیریؒ جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں میری خط و کتابت ہوئی اس مراسلت کے دوران میں مولانا موصوف نے مجھے اس مخطوطے (غایۃ الامکان فی درایۃ المکان) کی طرف رجوع کرایا اور بعد ازاں میری درخواست پر از راہ عنایت مجھے اس کی ایک نقل ارسال کی۔"

(اقبال اور علمائے پاک و ہند۔ ص ۲۴۵)

مسئلہ ختم نبوت و قتل مرتد میں استفادہ

علامہ اقبال نے اپنے خطبات۔ 'THE RECONSTRUCTION OF THOUGHT IN ISLAM' کے سلسلے میں مولانا سید انور شاہ کشمیری سے ختم نبوت۔ قتل مرتد اور مسئلہ زمان ومکان میں خاص طور پر استفادہ کیا۔ جناب اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں کہ اہل نظر کو یہ تو معلوم ہے کہ پنجاب کے خصوصاً اور ہندوستان کے عموماً تعلیم یافتہ طبقے میں قادیانی تحریک کی شر انگیزی کا جو احساس بیدار کیا ہے اس میں بڑا دخل علامہ اقبال کے اس لیکچر کا ہے جو ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اس مقالہ کا بھی جو انگریزی زبان میں قادیانی تحریک کے خلاف شائع ہوا۔ لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان دونوں تحریروں کے باعث حضرت سید انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند ص ۲۵۳)

ایک مرتبہ جب شاہ صاحب انجمن خدام الدین کے سالانہ جلسہ میں لاہور تشریف لائے۔ علامہ اقبالؒ کو معلوم ہوا تو قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور حضرت کشمیریؒ کو رات کے کھانے پہ مدعو کیا دعوت تو ایک بہانہ تھی اصل مقصود علمی استفادہ تھا۔ کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ اٹھایا۔ حضرت شاہ صاحب نے تمام شکوک و شبہات اور اعتراضات کو صبر و سکون سے سُنا۔ پھر ان دونوں مسئلوں پر ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کے دل کی ہر خلش کو دور کر دیا اور آپ ان دونوں مسئلوں پر بالکل مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر اقبال نے ختم نبوت پر وہ لیکچر دیا جو ان کے خطبات میں شامل ہے اور قادیانی تحریک کی تردید میں انگریزی میں وہ مقالہ بھی تحریر کیا جس نے پنجاب کی فضا میں تلاطم پیدا کر دیا۔

آخری ملاقات علامہ اقبال اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی آخری ملاقات اگست ۱۹۳۲ء میں ہوئی شاہ صاحب مقدمہ بہاول پور (تفصیل مقدمہ کے لیے دیکھئے بیس بڑے مسلمان ص۳۹۵) کے سلسلہ میں ۱۹/اگست ۱۹۳۲ء کو بہاول پور پہنچے ۲۵ اگست کو ان کا بیان شروع ہوا جو پانچ روز جاری رہا۔ اس سفر کے سلسلہ میں لاہور میں قیام کیا۔ جامع مسجد اسٹریلیا میں صبح کی نماز کے بعد وعظ کرتے جس میں دیگر لوگوں کے علاوہ علامہ اقبال بالخصوص حاضر ہوتے۔ (حیات انور۔ ص۳۲۷)

تعزیتی اجلاس اور علامہ کا خراج عقیدت ساٹھ سال کی عمر میں برصغیر کا یہ رسید انور شاہ کشمیریؒ متبحر عالم۔ یہ علم وفضل کے کمالات کا پیکر۔ یہ مجسمہ زہد وفقر ۲ صفر ۱۳۵۲ھ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ شاہ صاحب کی وفات کی خبر لاہور میں سن کر ڈاکٹر صاحب بے حد مغموم ہوئے تعزیتی جلسہ اپنے اہتمام سے کرایا۔ خود صدارتی تقریر میں بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔

"اسلام کی ادھر کی پانچ سو سال تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔" (بیس بڑے مسلمان)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ اقبال نے اپنی تعزیتی کے اختتام پر یہ شعر پڑھا اگرچہ یہ شعر علامہ اقبال نے شاہ صاحب کی وفات سے بہت پہلے لکھا تھا لیکن اس جلسہ میں شعر کے مصداق کو متعین کر کے ڈاکٹر صاحب مبلغ علم متعین کر دیا جس کی حدود کو چھو کر انسان دیدہ ور ہوتا ہے۔

دینی اداروں کے ارباب اہتمام کی خدمت میں

دینی مدارس کے ارباب اہتمام، درس نظامی کے منتظمین اور مختلف علمی و دینی ادارے عموماً شوال میں جامعہ حقانیہ کے دفتر اہتمام سے رابطہ کر کے درس وتدریس، وعظ وخطابت، دعوت وتبلیغ، تصنیف و تالیف اور مختلف دینی کاموں کیلئے باصلاحیت فضلاء کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اس سلسلے میں گذارش ہے کہ ابھی سے دفتر اہتمام سے باقاعدہ رابطہ کر کے مطلوبہ معیار کے باصلاحیت فضلاء اور ذی استعداد علماء مدرسین کے بارے میں باضابطہ درخواستیں بھیج دی جائیں تاکہ متعلقہ حضرات کو پہلے سے اپنے کام اور تعیناتی سے آگاہ کر دیا جائے تاخیر سے موصول ہونے والی درخواستوں کی تعمیل مشکل ہو جاتی ہے۔ (ادارہ)

الحاج اقبال احمد خان
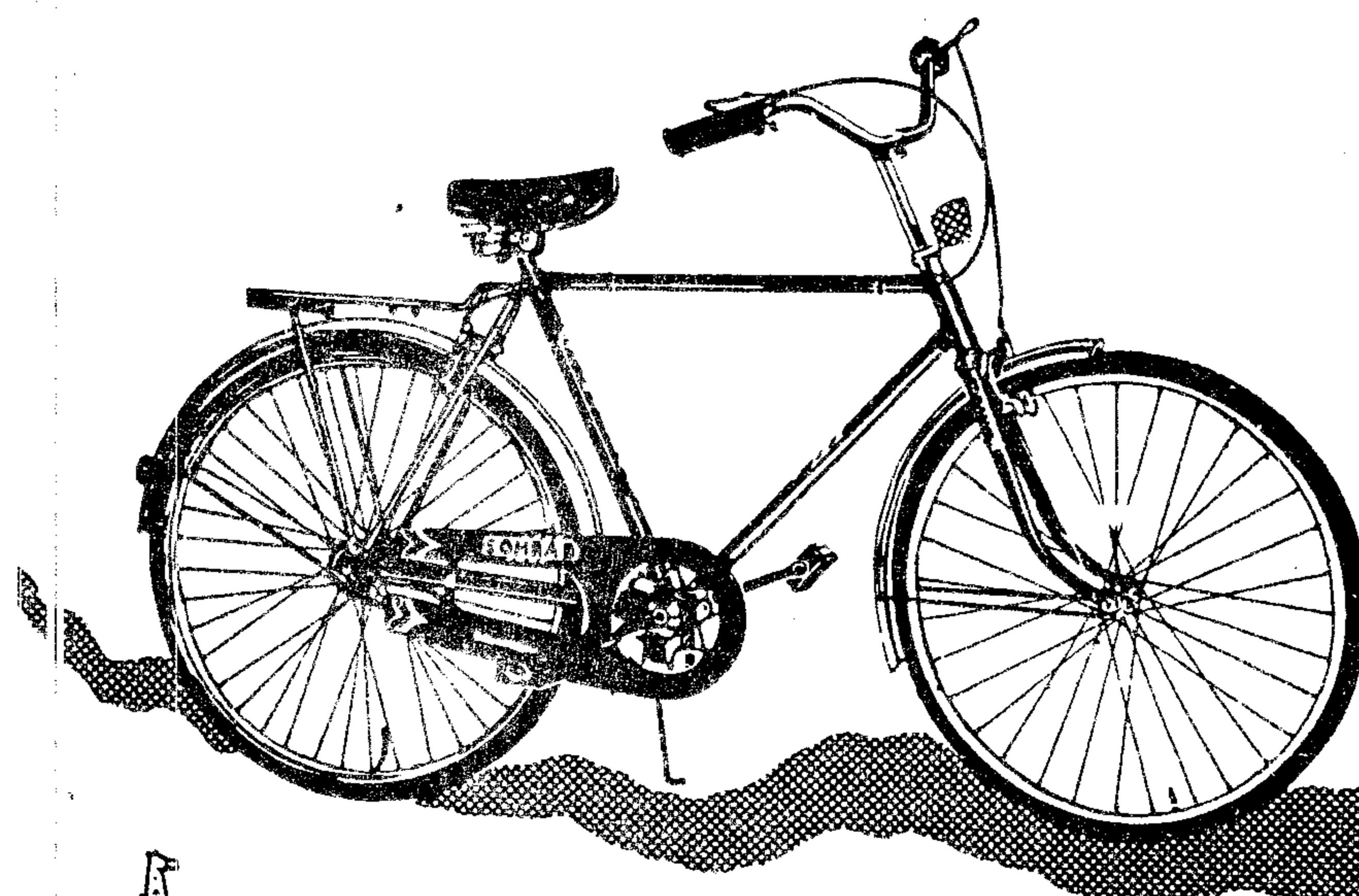
مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں کو ہندوؤں کی دعوت مبارزت

ہندوؤں کی مکارانہ کارروائیوں کی ایک سنسنی خیز رپورٹ

امریکہ اور یورپ کی طرح ہندوؤں نے مشرق وسطیٰ میں بھی کافی عرصے سے اپنی مکارانہ کارروائیوں کا
زکیا ہوا ہے۔ انہوں نے ان ممالک میں سب سے پہلے تجارت وکاروبار اور سول سروسز پر چھانے کی کوشش
ہے جس میں انہوں نے کافی حد تک کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ پاکستان کا باسمتی چاول جو اپنی انفرادی خوشبو
وجہ سے پوری دنیا میں مقبول ہے اور اپنی ایک خاص پہچان رکھتا ہے بلکہ فرانس تک یہ چاول بڑے شوق سے
ستعمال کیا جاتا ہے، سعودیہ کی مارکیٹ سے راتوں رات یہ چاول بڑے پیمانے پر خریدا گیا اور اس میں پتھر اور
ملاکر دوبارہ مارکیٹ میں سپلائی کیا گیا جس سے ہمارا باسمتی چاول اپنی پہچان کھو بیٹھا۔ اب کسی بھی مارکیٹ میں
یں انڈیا کے سفید ذائقہ چاول کے تھیلے ہر دوکان سے ملتے ہیں۔ حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس وقت کی پاکستان
س ایکسپورٹ کارپوریشن کیا کر رہی تھی۔ پاکستان کے تولیے، جرابیں بنیانیں جو دنیا بھر میں مشہور ہیں یہاں کی
کیٹ میں کسی خاص سازش کے تحت ان کو متعارف ہی نہیں کروایا گیا۔ اس کے برعکس یہاں کی دوکانیں اور
یٹیں ہندوستانی گرم کپڑے، گرم شالوں اور ریڈی میڈ گارمنٹس سے بھری پڑی ہیں۔ یہی صورت حال فروٹ
کیٹ کی ہے۔ پاکستانی آم کا مقابلہ دنیا بھر میں نہیں۔ لیکن بڑے ہندو تاجروں نے فروٹ مارکیٹوں پر کچھ اس
رح کنٹرول کیا ہے کہ ہمارے سندھڑی اور چونسے کو ہندوستان کے گلے سڑے اور کھٹے آموں نے مارکیٹ
سے مار بھگایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کی کارستانیوں کی وجہ سے گلف ریاستوں کی ہر قسم کی مارکیٹوں میں ہندوستانی
قص مال بھرا ہوا نظر آتا ہے۔

اس کے علاوہ بڑی بڑی معتبر کمپنیوں میں کلیدی عہدوں پر ہندو قابض ہیں جو کمپنی کے مالک کو اپنے اعتماد میں
لے کر جا ہے اس کے لیے انہیں جو کچھ بھی کرنا پڑے کر گزرتے ہیں۔ مسلمان ورکروں کی شکایات بنا بنا کر انہیں نوکری
سے نکلوا دیتے ہیں اور ان کی جگہ پر انڈیا سے ہندو بھرتی کر کے لائے جاتے ہیں۔ اگر یہ چال کسی وجہ سے نہ چل سکے
دیگر ہندوؤں کو مسلمان پاسپورٹ پر یہاں بلوایا جاتا ہے۔ ایسے ہزاروں ہندو خلیجی ممالک میں مسلم ناموں سے کام

کر رہے ہیں۔ منطقہ شرقیہ سعودی عرب میں الحسینی گروپ میں کتنے ہی ڈرائیور جعلی مسلمان بن کر نوکریاں کر رہے ہیں۔
اگر کسی ہندو سے مذہب کا سوال کیا جائے تو اپنے آپ کو مسیحی بتاتے ہیں۔ آر۔ ایس۔ ایس، وشوا ہندو پریشد
اور شیوسینا اور بجرنگ دل کے ہزاروں تربیت یافتہ ہندو غنڈے ان ممالک کی بڑی بڑی معتبر کمپنیوں میں عام ورکر
سے لے کر بڑے عہدوں پر کام کر رہے ہیں جو ہر ماہ لاکھوں ڈالر زرمبادلہ ان نازی جماعتوں کو بھیج رہے ہیں ہزاروں
ہندوؤں نے لاکھوں روپے ایودھیا (فیض آباد جہاں بابری مسجد کو شہید کیا گیا) وہاں لاکشمن مندر کے سامنے
دفتر میں رام دیال متر نامی پروہت کو بھجوائے اور پھر اس پیسے کے زور سے ان نازی جماعتوں کے بھگتوں
نے مسلمانوں پر ظلم توڑنے کی انتہا کر دی۔

دو ہندو لڑکوں نے اسلام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ رات کو سب ہندوؤں نے مل کر ان کو خوب مارا۔ یہ
بات جب علماء کے علم میں آئی تو فوراً ردعمل ہوا اور اس کمپنی کے سارے ہندوؤں کے نئے اگریمنٹ روک لیے
گئے اور خاص کر سعودی رائل نیول فورسز سے تو ہندوؤں کا مکمل صفایا ہو چکا ہے اور اب کسی بھی نئے ہندو کی ڈیفنس
میں بھرتی پر مکمل پابندی عاید کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں نے ہوٹلوں اور ریسٹورنٹس کی آڑ میں سعودیہ کی
پاک سرزمین پر مندر تک چالو کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ ان ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کے نام ہندوؤں کے
بعض بڑے مندروں کے نام پر رکھے جاتے۔ جن کا سعودی حکام عام آدمی کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اس ہوٹل کا نام
ہندوؤں کے فلاں مندر کے نام پر ہے۔ جب کہ سب ہندوؤں کو معلوم ہوتا ہے اور پھر خفیہ طور پر ان کے اندر
ہندوؤں کے خاص تہوار منائے جاتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک ہوٹل الجبیل کے قصبہ میں ارادھنا کے نام سے کھولا گیا
تھا۔ ارادھنا ہندوؤں کی ایک عبادت کا نام ہے۔ الحمد للہ اس ہوٹل میں مورتیوں کے سامنے خفیہ طور پر اپنا تہوار
مناتے ہوئے ہندوؤں کو سعودی خفیہ پولیس کے حوالے کر کے کیفر کردار تک پہنچایا جا چکا ہے۔ اسی قسم کا ایک ہوٹل
تریپتی دمام شہر میں کھولا گیا جو کہ ہمارے نوٹس میں آ چکا ہے انشاء اللہ بہت جلد اس پر بھی ہاتھ ڈالا جائے گا۔ تریپتی
ہندوستان میں ایک بہت بڑے مندر کا نام ہے۔ اس قسم کی وارداتوں پر نظر رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ جہاں
بھی کسی کو شک گزرے سعودی علماء کے علم میں فوراً یہ واقعہ لایا جائے۔ سعودی علماء کرام ایسے واقعات کا فوراً نوٹس
لیتے ہیں۔ عالم اسلام کو ان واقعات سے یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ہندو سانپ اور ناگ ان ممالک میں کس قسم
کی معاندانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

گلف ممالک کے ہندو تاجروں نے نہ صرف بابری مسجد کے انہدام میں بھرپور حصہ لیا بلکہ اس کے تمام اخراجات
کے لیے یہاں سے روپیہ فراہم کیا۔ بہت سے ہندو تاجر جو عرب میں رہتے ہیں ان گروپوں میں شامل ہیں جنھوں نے
انتہائی سرگرم حصہ لیا۔ مثلاً دوبئی کا شلطی گروپ وسعودی عرب کا راجہ جیٹ دواتی اور اروڑہ گروپ اس کے علاوہ

گروپ آف کمپنیز جس میں پیپر کیمیا، سرف اور حدید شامل ہیں۔

ہندوستان کی نازی جماعتوں کے لیے انہیں گروپوں نے سونے کی اینٹوں تک یہاں سے روانہ کی ہیں۔ گلف کے علاقہ میں تقریباً ۲ لاکھ ہندو فرقہ پرست اہم پوزیشنوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایس۔اے۔کیل کمپنیز یوسف بن احمد کانو گروپ اور بن زاغر گروپ میں پورے کے پورے ہندو ہیں۔ تقریباً ایک سو کمپنیاں ایک ہی ملک میں ہیں جن میں ۹۰ فیصد ہندو موجود ہیں اور ان پر انہی کا کنٹرول ہے۔

دلت وائس بنگلور نے یکم اکتوبر ۹۳ء کے شمارے میں ابوظہبی سے انم کمار کا ایک خط شائع کیا ہے جس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ ہندو خلیجی ممالک میں کس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ ان کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کے عزائم کتنے خطرناک ہیں۔ انم کمار نے ایک ہینڈبل روانہ کیا ہے جو ابوظہبی کی ہندآرمی (ہندو نوجوان فوج) کی طرف سے تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔

"اب وقت آگیا ہے کہ ہندو اٹھے اور ہندو مذہب کی خدمت اور دفاع کے لیے کھڑا ہو جائے۔ یہ شیاطین گائے کھانے والے، گوشت کھانے والے مسلم درندے جن کا مذہب انہیں صرف قتل کرنا، معصوم لوگوں کا صفایا کرنا اور ملکوں کو تباہ کرنا سکھاتا ہے، جن کے نزدیک اپنے ہی ماں باپ و بھائی بہن اور اپنے ہی رشتے داروں کو قتل کرنا جائز ہے جو اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے آئے ہیں، اب ایک بار پھر اسلام کے نام پر ہندوستان اور ہندو مذہب کو تباہ کرنے کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ ان مسلمانوں کی ہمت بہت بڑھ گئی ہے وہ ہندوستان میں "اللہ اکبر" شیطانی نعرہ (نعوذ باللہ) لگانے لگے ہیں۔ ہم کو ان کا منہ توڑ جواب دینا ہے۔ ان کو کچل کر رکھ دینا ہے۔ ان کے شیطانی عزائم اور شیطانی قوت کو ختم کر کے رکھ دینا ہے۔ ورنہ لاکھوں ہندو سبھائیوں کی روح جو ۴۷ء کی تقسیم کے وقت ہلاک کیے گئے تھے ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ ہم ان لاکھوں بہنوں اور بیٹیوں کو کیونکر بھول سکتے ہیں جن کی ان وحشی درندوں نے عصمت دری کی، انہیں ستایا اور ہلاک کیا۔ یہ مسلمان ہمارے مادر وطن ہندوستان کو دوبارہ بری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ آخر ہم کب تک چوڑیاں پہنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے اور ان سے ڈرتے رہیں گے جو ہمارے مقابلے میں مٹھی بھر سے زیادہ نہیں ہیں۔ ہماری رگوں میں شیواجی، مہارپرتاپ اور اشوک کا پاک وصاف اور بہادر خون گردش کر رہا ہے۔ ہم انہی کے بیٹے ہیں۔ پس بیدار ہو جاؤ، آج ہی جو کچھ کرنا ہے کرو۔ ورنہ آنے والا کل ہماری بزدلی پر ہمیں بددعا دے گا۔ اگر تمہارے جسم میں ہندو باپوں کا خون اور ہندو ماؤں کا دودھ ہے تو اٹھو اور بڑی جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، جو ہندوؤں کی بقا کی جنگ ہے۔ ہمیں نوسٹرڈیم کی ۴۰۰ سالہ پرانی پیشین گوئی کو سچ کر دکھانا ہے۔ اس نے لکھا ہے چودھویں صدی میں اسلام کی موت یقینی ہے۔

(بقیہ صد ۹۵ پر)

مچھروں سے مکمل نجات حاصل کیجیے
ویپ
ماسکیٹو میٹ
Vape mat
FUMAKILLA
FUMAKILLA
Vape mat f
ELECTRONIC
MOSQUITO
DESTROYER
ALSO APPROVED IN AMERICA BY U.S. ENVIRONMENTAL
PROTECTION AGENCY WASHINGTON D.C.

شاہ بلیغ الدین

عِلمِ فقیہہ و حکیم، فقرِ مسیح و کلیم

(حیاتِ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ)

یمن کے ساحل سے ایک کشتی چلی۔ کوئی پچاس آدمی اس میں سوار تھے۔ بادبان تانے گئے۔ چپو ہاتھ میں لیے ملاح بیٹھ گئے۔ کنارے کنارے چلے کہ ہر طرح کے خطرات سے بچتے اپنی منزلِ مقصود پہ پہنچ جائیں۔ ان کی منزل تھی سرزمین مکہ!

کہاں سے کہاں

لنگر اٹھا کر تھوڑی دور یہ بادبانی کشتی سمندر میں گئی تھی کہ باد وباراں کے جھکڑ چلے اور سینۂ سمندر پر لہروں میں ہیجان بپا ہوگیا۔ کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ آپ ہی اٹھتی، آپ ہی گرتی موجوں کے سہارے ہوا کے زور اور پانی کے بہاؤ پر نکل گئی۔ نہ سمت برقرار رہی نہ چپو چل سکے۔ ناچار ناخدا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ قسمت کے سہارے اللہ کے بھروسے کشتی بڑھتی رہی۔ آگے چلتی رہی۔ کچھ دنوں بعد زمین دکھائی دی۔ کنارا آیا تو مسافر اللہ کا شکر ادا کر کے اتر پڑے یہ وہ جگہ تو نہ تھی جس کا انتظار تھا مگر زندگی اور موت کی کشمکش کے بعد یہ ساحل بھی منزل ہی کی طرح محبوب نظر آیا۔

یہ مسافر، مسافرانِ راہِ خدا تھے۔ سمندری راستے سے یمن کے اشعری قبیلے کے لوگوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ چلے تھے کہ سب کو مشرف بہ اسلام کرا لائیں لیکن بارگاہِ نبویؐ کے بجائے یہ لوگ طوفان باد وباراں کی وجہ سے دربارِ نجاشی میں پہنچ گئے۔ حضرت عثمان رضؓ اور دوسرے مظلوم مسلمان جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے ابھی تک وہیں تھے۔ وہ بھی مقصد کے دیوانے تھے یہ بھی مقصد کے دیوانے سب مل کر ایک ہی جگہ رہنے لگے۔ پھر جب ۷ھ ہجری میں حضرت جعفر رضؓ سب مسلمانوں کو لے کر حبشہ سے نکلے کہ مدینہ جا کر رہیں تو یمن کے اشعری قبیلے کے لوگ بھی اُن کے ساتھ ہو گئے۔

خیبر فتح ہو گیا تھا۔ اس خوشی کے موقع پر حضرت جعفر رضؓ اور ان کے ساتھی پہنچے۔ بخاری میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی غنیمت میں سے حضرت ابوموسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو بھی حصہ دیا۔ آپ نے طفیل بنِ عمرو رضؓ دوسی اور ان کے ساتھیوں کو بھی اس غنیمت سے حصہ دیا تھا۔ حالانکہ خیبر کی غنیمت بیعتِ رضوان

والوں کے لیے مخصوص تھی کیونکہ مسلمان جب خیبر کی لڑائی پر نکل رہے تھے تو حکم ہوا تھا کہ صرف وہی لوگ سا
چلیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ساتھ تھے۔

جذبِ مسلمانی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ بہت پہلے ایمان لا چکے تھے۔ مکہ کا قبیلۂ عبدِ شمس بن
اشعریوں کا دوست تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضؓ ایک بار مکہ آئے تو وہاں ایک نئے
کا چرچا سنا۔ لوگ نہ چاہتے تھے کہ ابو موسیٰ کے کان میں اس نئے دین کی بھنک پڑے۔ لیکن آ
میں سے آپ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر ایمان لے آئے۔ لوٹے تو اپنے گھرانے اور قبیلے ، اس
پھیلانے کی کوششوں میں لگ گئے۔ یہ اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اشعری قبیلے کے پچاس افراد جو ا کے
آئے تھے اور ان کی والدہ بھی ایمان لے آئیں اور مدینے میں رہ گئیں۔

فتح مکہ اور حنین کی لڑائی کے موقع پر حضرت ابو موسیٰ رضؓ ساتھ تھے۔ تبوک کی مہم میں بھی انہیں شرکت
سعادت نصیب ہوئی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی وہ شریک رہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے وہ
سے آئے تھے۔

عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو خدا نے بڑی عزت دی۔ حضرت معاذ بن جبل رضؓ کے ساتھ وہ
کے گورنر بنائے گئے۔ ہوا یوں کہ تبوک کی مہم سے لوٹ کر ایک دن ابو موسیٰ رضؓ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے
تھے کہ سب کا خیال ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہیئے۔ کل تین آدمی بارگاہِ نبوی
پہنچے ـــــ ایک ابو موسیٰ رضؓ دو اُن کے دوست! بخاری میں ہے جس وقت یہ لوگ پہنچے حضورِ اکرم صلی
علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے۔

خطا اور عطا

حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو معلوم نہ تھا کہ ان کے دوستوں نے کیوں رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ و
خدمت میں جانے پر اصرار کیا تھا۔ وہاں پہنچے تو اُن کے دل کا بھید کھلا۔ انہوں نے
کہا کہ ـــــ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں کوئی عہدہ عنایت ہو!۔

حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے دیکھا اللہ کے رسولؐ کا ہاتھ رک گیا، مسواک ٹھہر گئی، آپؐ نے
زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ـــــ ابو موسیٰ! ابو موسیٰ!!

حضرت ابو موسیٰ رضؓ گھبرائے۔ دوستوں کی اس درخواست پر انہیں سخت خفت ہوئی۔ گزارش کی کہ
یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں نہ جانتا تھا یہ لوگ
کیا چاہتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضؓ خود رئیس تھے۔ قبیلے کی سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے لیکن
نے کبھی ایسی کوئی درخواست نہ کی تھی نہ کبھی اشارۃً کنایۃً کسی عہدے کے خواہاں ہوئے تھے۔

الت سے ارشاد ہوا ـــــ جو کوئی خود سے کسی عہدے کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس عہدے پر مامور نہ
ہں گا! اس اشارے کے بعد آپ حضرت ابوموسیٰؓ کی طرف پلٹے ۔ فرمایا ـــــ البتہ ابوموسیٰؓ تم یمن جاؤ
نے تمھیں یمن کا عامل مقرر کیا یعنی گورنر۔ اللہ کے رسول نے صحابۂ کرام سے اکثر یہ ارشاد فرمایا کہ ۔عہدہ پیش
جائے تو اس میں اللہ کی مدد بھی شامل حال نہیں ہے ۔ جو عہدہ مانگ کر لیا جائے وہ اللہ کے رسول کی پسند نہ تھا
یہ حقیقت دنیا پر عیاں ہے کہ مانگ کر عہدہ لینے والا اکثر اپنے عہدے سے انصاف نہیں کرتا ۔ وہ اس سے
ائز فائدہ اٹھاتا ہے ۔ مغربی جمہوریت پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس میں عہدے کے لیے اپنے
ب کو پیش کرنا پڑتا ہے ۔ اسلام اپنے اصول اخلاص، ایمان اور آگہی کے اصول پر بناتا ہے ۔ اسلامی نقطہ
سے عہدہ اللہ اور اس کے بندوں دونوں کی طرف سے ہوتا ہے ۔ یہی بات صدیق اکبر نے اپنے پہلے
ارسی بیان میں فرمائی تھی کہ اگر میں اپنی ذمہ داری پوری نہ کروں تو مجھے تلوار سے ٹھیک کر دو۔ تلوار سے
ل کرنا یعنی مواخذہ کرنا اسلام کا سب سے بڑا اصول حکمرانی ہے ۔

یمن پر حاکم بن کر سب سے پہلے حضرت علیؓ تشریف لے گئے تھے انہی کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیجا
تھا ۔ حجۃ الوداع میں شرکت کرنے آئے تو حضرت علیؓ پھر واپس نہیں بھیجے گئے ۔ یمن کو دو حصوں میں تقسیم کیا
تھا ۔ یمن بالا جس میں عدن کا علاقہ شامل تھا اور یمن زیریں ۔ یمن بالا پر حضرت معاذ بن جبلؓ اور یمن زیریں پر حضرت
وسیٰؓ گورنر بنائے گئے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول انتظامی امور کو چھوٹے سے چھوٹا رکھنا چاہتے
۔ یہی ارشاد آپ کا بندوں اور بستیوں کے بارے میں بھی تھا ۔ انہیں زیادہ پھیلنے نہ دیا جائے ۔ بلکہ آبادی بڑھنے
تو نئے شہر بسائے جائیں نئے ضلعے نئے صوبے بنائے جائیں تاکہ آبادیاں قائم کرنے میں مشکل نہ آن پڑے
م کو آسانی سے انصاف ملے شہر، ضلع اور صوبے چھوٹے رہیں تو انتظامیہ کی گرفت مضبوط رہتی ہے ۔ لوگ بھی
ل کے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہیں ۔ اب پھر تعلیم، صحت آمد و رفت پینے کے پانی اور
سرے سماجی معاملات میں سہولت حاصل رہتی ہے ۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی بہ سہولت میسر ہوتی ہیں ۔

دونوں حاکم جانے لگے تو ارشاد ہوا کہ ـــــ وہاں کے لوگوں سے نرمی سے پیش آنا، سختی نہ کرنا، لوگوں
خوش رکھنا، اُن کو اپنا مخالف نہ کر لینا اور آپس میں میل جول سے رہنا! ـــــ دونوں گورنروں کے لیے
ضابطۂ حکومت تھا ۔ لوگوں کو خوش رکھنا تاکہ ان کو جان و مال کا تحفظ ملے ۔ روزگار میسر ہو اور مہنگائی
ہو ۔ انصاف آسان اور سستا ہو ۔

درنری

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عہد نبوی میں کیا گورنر مقرر ہوئے گورنر ہی گورنر رہے ۔ حتیٰ کہ حضرت
عمرؓ کے دور میں ایک بار جہاد کا اعلان عام ہوا تو یمن کے دور دراز علاقے سے بھی مسلمان

جوق در جوق اِس میں حصہ لینے مدینہ پہنچنے لگے۔ ایک دن امیر المومنین کے ملاحظے میں ایک درخواست آئی۔ اِستعفیٰ
تھا ـــــ گورنر یمن کا اپنی خدمت سے استعفیٰ ـــــ یہ بڑے منتظم اور بڑے اچھے گورنر کا استعفیٰ تھا۔ اس
لیے اس کے قبول کرنے میں امیر المومنین کو پس و پیش تھا لیکن جو وجہ گورنری چھوڑنے کی لکھی گئی تھی اسے دیکھ کر آپ
قبول کرتے ہی بنی۔ حضرت ابو موسیٰ نے لکھا تھا کہ ـــــ سلطنتِ عجم سے ٹکر لینے کے لیے اللہ والے
نکلنے والے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد پر نکلنا امیرِ صوبہ بن کر بیٹھنے سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے ز[illegible]یں
یمن کے صوبے کی گورنری سے الگ ہونے کی مجھے اجازت دی جائے۔ میں میدانِ جہاد میں نکلنا
چاہتا ہوں۔

فقرِ مسیح و کلیم

منصب ہاتھ میں ہو تو کوئی چھوڑتا ہے؟ کرسی کا سحر تو معاذ اللہ بڑا کافر سحر ہوتا ہے جو
ایک بار سر چڑھتا ہے تو پھر اترتا نہیں۔ یہ تو بڑے ظرف اور للّٰہیت کی بات تھی۔ انھوں
نے کرسی چھوڑی اور پھر کسی فائدے کے لیے نہیں بلکہ اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے! سچ تو یہ ہے کہ یہ
للّٰہیت تھی کہ جس نے دیکھتے ہی دیکھتے عجم کی تین ہزار سالہ پرانی اور دنیا کی عظیم الشان سلطنت کا تختہ الٹ
دیا۔ ورنہ مسلمانوں کے پاس تھا کیا؟ نہ ساز و یراق نہ مال و منال! چیتھڑے لگی قبائیں پیوند زدہ عبائیں جسم پر۔ کسی کے پاس
گھوڑا تھا تو زرہ نہیں، زرہ تھی تو ڈھال نہیں تھی۔ کسی کو تیر و کمان کے لالے تھے کسی کو برچھی کے بھالے کے۔ لیکن
ہر ایک سر سے کفن باندھ کر نکلا تھا۔ ملت کی عزت و سربلندی کے لیے جان حاضر تھی۔ یہ بڑے پاک، نفس
پاک دل اور پاکباز مجاہد تھے۔ کشمیر کا چپہ چپہ آج پکار رہا ہے کہ وہ پاک دل و پاکباز مجاہد کہاں!

یہی مثال دیکھ لیجئے کہ عزت و اقتدار کے کس بلند منصب کو چھوڑ کر ابو موسیٰ رض دکھ سہنے، مصیبتیں اٹھانے
اللہ کی راہ میں اپنا خون بہانے نکلے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رض کہتے ہیں کہ ـــــ خدا کی قسم! ہمیں قادسیہ کے
مجاہدین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا بھی طلب کی ہو! دنیا کا خیال ہوتا تو ابو موسیٰ
گورنری کو لات ہی کیوں مارتے! یہاں تو بس ایک ہی جذبہ ذہن و دماغ پر حاوی تھا کہ ـــ ملت پر وقت پڑا
ہمیں اپنی جان و مال سے کام آنا چاہیئے!

جو لوگ عراقِ عجم کی فتح پر نکلے تھے ان کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رض اس معرکے کے سپہ سالار
کہا کرتے تھے کہ ـــــ واللہ! لشکر کا لشکر ایمان دار ہے! اگر اصحابِ بدر کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی
تو میں کہتا یہ لوگ جنگِ بدر میں شریک ہونے والوں کے ہم رتبہ ہیں۔ حضرت سعد رض نے اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں
کیا۔ ایک حضرت ابو موسیٰ رض ہی کا جذبۂ اخلاص اور ایمان اس کا ثبوت ہے۔

حضرت سعد رض کے لیے حضرت ابو موسیٰ رض کا ساتھ بڑے کام کا نکلا۔ اس علاقے کی بعض مہموں،

ں سالارِ لشکر بنا کر بھی بھیجا گیا۔ دجلہ اور فُرات کا درمیانی علاقہ الجزیرہ انہیں کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ یہ ۱۷ھ ہجری
ت ہے۔ اس وقت تک کوفے اور بصرے کی بنیاد پڑ چکی تھی اور انہیں صوبے کے صدر مقام کی حیثیت دے
گئی تھی۔

یعنی سلطنتِ ایران کی عراقِ عجم کی فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ کو اچھے منتظموں کی ہمیشہ تلاش رہتی تھی
دی الجزیرہ کی فتح کرتے ہی حضرتِ عمرؓ نے ایک فرمان جاری کیا۔ یہ بصرہ کے نئے گورنر کے بارے
تھا۔ اہلِ بصرہ نے یہ فرمان سنا تو اُس میں لکھا تھا کہ —— بصرے والو! سن لو کہ میں نے ابو موسیٰؓ کو تم پر
بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کو حق دلائیں۔ تمھاری حفاظت میں، تمھارے دشمنوں سے لڑیں۔ ذمیوں
اقلیت کے حقوق کی حفاظت کریں اور تمھارے صوبے کی تمام آمدنی کا تم کو حساب دیں۔ پھر اس کو تم ہی
م کریں، حق کے مطابق اور تمھارے راستوں کو تمھارے لیے صاف رکھیں۔ اسلام کے اصول حکمرانی سیدھے
، اللہ کے آگے جوابدہی اور بھلائی پر مشتمل ہیں۔ پاکستان کے شہر ٹیکسلا میں پیدا ہونے والا چانکیہ یورپ
لیاولی ایران کا بزرجمہر انتقامی سیاست اور اقتدار بچانے کی بات کرتے ہیں۔ اسلام اقتدار کی حفاظت
ہیں، انصاف کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔

بصرہ پر حضرت ابو موسیٰؓ امیر بن کر رہے تو حال یہ تھا کہ لوگ ان کی محنت، اخلاص اور دیانت کی وجہ
ے ان کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ وہ دِل کے کھرے اور کام کے دھنی تھے۔ دور دور تک ان کی فرض شناسی
دھوم تھی۔ بے غرض اور للہیت کا شہرہ تھا۔ انصاف کے پکے اور سرکاری خزانے کے رکھوالے
ے۔ ۲۲ھ ہجری میں کوفے پر نئے گورنر کا تقرر کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا —— تم
ں کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ لوگوں نے بے اختیار حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لے دیا اور اس بات پر اتنا
ار کیا کہ حضرت عمرؓ کو انہیں وہاں بھیجنا ہی پڑا حالانکہ وہ اس وقت بصرہ کے والی تھے۔
بصرے کی گورنری کے زمانے ہی میں حضرت ابو موسیٰؓ نے خوزستان کا صوبہ فتح کیا اور نہاوند کی
ئی میں حضرت نعمان بن مقرنؓ کے ساتھ شریک رہے۔
کوفے کے والی کی حیثیت سے انہوں نے اصفہان پر فوج کشی کی اور اُسے فتح کیا۔ صاحبِ مشکوٰۃ
تا ہے کہ حضرت عثمان کے عہد میں کچھ دن بصرے کے گورنر رہ کر وہ گھر بیٹھ گئے اور اللہ اللہ کرنے
ے۔ پہلے کوفے میں رہے پھر شام کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو
ئے۔

علم فقیہہ و حکیم

چھوٹا سا قد تھا دبلے پتلے آدمی تھے لیکن اس دھان پان آدمی کو اللہ نے
تھا۔ حضرت اسودؓ ایک تابعی بزرگ کہا کرتے تھے کہ ـــــ میں نے
حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحبِ علم نہیں دیکھا۔

حضرت علیؓ کا ارشاد تھا ـــــ ابو موسیٰؓ سرتاپا علم میں رنگے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن
اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے اُنہیں بڑی محبت تھی۔ یہ محبت اُن کے غیر معمولی علم کی بنا پر تھی۔

حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کا یمن میں بڑا ساتھ رہا۔ دونوں یمن کے دو حصّوں کے گ
جب گورنر بنا کر بھیجے گئے تو حضور رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ ـــــ آپس میں مل
دونوں شیر و شکر بن کر رہے۔ انتظامی معاملوں میں بھی ایک دوسرے کو مشورہ دیتے اور علمی معاملات
دوسرے کو فائدہ پہنچاتے۔ بعض اوقات حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ان کے ساتھ ہو جاتے۔ تینوں
محفل جمتی اور فقہی مسائل پر خوب خوب بحثیں ہوتیں۔ حتیٰ کہ مسئلہ چھن کر سامنے آجاتا۔ کبھی حدیثوں
ہوتا۔ سننے والے جھولیاں بھر بھر کر اُٹھتے۔ اِن میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم و حکمت کا ستون تھا۔ حضرت ا
کے علمی پائے کا اندازہ صرف اُس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے
مبارکہ ہی میں انہیں یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ فتوے دیا کریں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ عہدِ ر
یہ فضیلت صرف چھ صحابہ کو عطا فرمائی گئی تھی۔

حضرت ابو موسیٰؓ علم کے پھیلانے کو ایک فریضہ سمجھتے تھے۔ کہتے ـــــ دوستو! زندگی کا
چاہیئے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی پوری کوشش کی جائے۔ جو کچھ خود کو معلوم ہے دوسروں کو بتاؤ اور
عام کرو!۔

ابنِ سعدؒ لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ خطبہ دینے کھڑے
تو فرمایا ـــــ جس شخص کو خدا علم دے اُس کو چاہیئے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اِس کی تعلیم
ہاں ایک بات یاد رکھو! جو بات معلوم نہ ہو اُس کے بارے میں کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنا! و
کرتے کہ جس حد تک لوگوں کو فائدہ پہنچا سکیں پہنچا ئیں۔ راستے چلتے ہوتے اور لوگوں کو اکٹھا دیکھتے تو
جاتے اور ایک نہ ایک حدیث انہیں سناتے۔ قرآن حکیم کی یہی تعلیم ہے۔ قولوا للناسِ حسناً۔ نرمی سے
دین کے پھیلانے کا اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے۔ میری باتیں دوسروں تک پہنچاؤ۔

مسلم میں ہے کہنے سننے کا طریقہ بڑا نرم تھا۔ کوئی شخص نادانی سے کبھی کچھ کہہ بیٹھتا یا کسی بات
کر دیتا تو صبر سے سنتے اور بڑی محبت سے اُسے سمجھاتے۔ قرآن حکیم نے حکمت اور سمجھداری سے دین

ستہ دکھایا ہے۔ اللہ کے رسول خود اس کا بہترین نمونہ تھے۔ صحابۂ کرام آپ کے تربیت یافتہ تھے۔

نغمۂ اللہ ہو

اللہ نے آواز میں بڑا رس دیا تھا۔ تجوید کے ماہر تھے۔ ماہر کیا اِس علم کے بانیوں میں سے
تھے۔ اُن کی زبان سے کلام اللہ کی تلاوت سننے کے لیے صحابۂ کرام بے چین رہا کرتے تھے
طبقات میں ہے ابو عثمان کہتے تھے ـــــ ابو موسیٰؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اُن کی آواز کا کیا کہنا!
ا سریلی اور دلکش آواز تھی کہ چنگ ورباب میں بھی وہ لحن نہ ہوگا۔ کبھی کبھی حضرت عمرؓ اپنے دوست کے پاس
تے اور فرماتے ـــ ابو موسیٰؓ ذرا اللہ تعالیٰ کی یاد تو دلاؤ! یہ فرمائش ہوتی کہ قرأت سناؤ۔ حضرت ابو موسیٰؓ
وت کرتے تو سماں بندھ جاتا۔ تن بدن کا ہوش نہ رہتا معلوم ہوتا کہ وقت کا دھارا رُک گیا ہے، ہوائیں تھم
ہیں۔ یہ ایسا بڑا کمال تھا کہ حسنِ قراءت کے اس وصف کی وجہ سے بڑے بڑے صحابۂ کرام حضرت ابو موسیٰؓ
یر معمولی احترام کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ ہی نے انہیں کسی کام سے
المومنین کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا ـــ ابو موسیٰؓ کس حال میں ہیں؟ حضرت انسؓ نے جواب
لہ ـــ لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں! حضرت عمرؓ بے اختیار بولے ـــ بڑے بلند مرتبہ آدمی ہیں! پھر حضرت
ؓ سے فرمایا کہ ـــ یہ میرا تعریفی جملہ اُن کے سامنے نہ کہنا!

ایک بار عشاء کا وقت تھا مسجدِ نبوی آئے۔ جماعت ہو چکی تھی۔ خود نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔ ایک دو
آیتیں تلاوت کی ہوں گی کہ معلوم ہوا صوتِ سرمدی کی گونج ہے۔ مسجد سے لگے ہوئے امت کی ماؤں کے حجرے
۔ ابنِ سعد لکھتے ہیں امہات المومنین اپنے اپنے حجروں کے دروازے پر آکر کھڑی ہوگئیں۔ حال یہ تھا جب
تلاوت ہوتی رہی کسی نے اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہ کی۔ ایسا ہی ایک اور موقع تھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ
ہ تھیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ حجرے سے برآمد ہوئے تو حضرت ابو موسیٰؓ
ت کر رہے تھے ایسا لحن تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے۔ ام المومنین ساتھ کھڑی رہیں
ہر قرآن اترا تھا اُس کی محویت اور اِس درجہ محویت کو ام المومنین دیکھتی رہیں۔ کون جانے کس کیف وجذب و
کے لمحات ہوں گے۔

حاکم نے لکھا ہے صبح حضرت ابو موسیٰؓ حاضرِ خدمت ہوئے تو خاص طور پر ارشاد ہوا کہ ـــ ابو موسیٰؓ کل
ن پڑھ رہے تھے۔ ہم نے تمہاری قرأت سنی! ابو موسیٰؓ بولے ـــ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مجھے آپ کی موجودگی کا علم ہو جاتا! کاش میں کچھ اور اچھی طرح پڑھ سکتا۔ کاش میں اپنی قرأت اور لمبی کر لیتا!
ادتھا کہ ـــ ابو موسیٰؓ کو لحنِ داؤدی سے حصہ ملا ہے! اللہ رے خوش نصیبی!

مغرب کی لادین جمہوریت کی ناکامی کے بعد اسلامی انقلاب کا لائحہ عمل کیا ہو؟

(۲)

حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مکتوب گرامی کے مندرجہ بالا حقائق ۔ حق کے مشاہد ہیں اس لیے ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا
اتفاق ان سے ضروری ہے ۔ میں خود بھی عرصہ سے اس فکر کا شکار ہوں اور شاید کہ یہی حال دیگر تمام
کا ہو گا مگر اظہرہ البعض وکتمہ البعض ۔ ولکل وجہۃ ھو مولیھا ۔

میرے خیال میں ملک میں اسلامی نظام لانے اور لوگوں کو اسلام سے روشناس کرنے کے
کسی اور تنظیم نو کی حاجت ہے نہ ضرورت و افادیت ، کیونکہ عوامی حلقے نئی جماعتوں کی وضع کو
استحسان نہیں دیکھتے ہیں ۔ بلکہ اگر ضرورت ہے تو اس امر کی ، کہ تمام دینی جماعتوں کا ایک مستحکم اتحاد
کیا جائے ۔ اور دینی جماعتوں میں تمام شامل ارکان بالخصوص علماء ارکان اپنے قبلہ کو درست کریں
اخلاص ، للہیت پیدا کریں ۔ قرآن وسنت وشریعت غراء کو قول سے زیادہ اپنے عمل سے لوگوں کو
اپنے شخصی حالات اور گھریلو حالات دین کے عین مطابق بنائیں اور لوگوں کو دین کا عملی درس پیش
اور موجودہ حالات میں مجموعی طور سے دینی جماعتوں کے عام ارکان اور شومئی قسمت سے سرکردہ ارکان
بھی باستثناء بعض صالحین کے ۔ یہود ، نصاریٰ کے احبار و علماء کی جو روش اپنائی ہے ۔ کہ مال و زر
کو دین پر مقدم کیا جا رہا ہے اور دینی ، قومی مفاد سے زیادہ شخصی مفاد کا خیال و لحاظ کیا جا رہا ہے
اس کو ترک کرنا ہو گا ۔ اور اپنے اتحاد کو دین کا ایک اعلیٰ عملی نمونہ بنائیں ۔ حتیٰ کہ الفاظ و اصطلاحات
بھی اغیار کے نہ ہوں بلکہ سلف صالحین من اہل الاسلام کے ہوں اور روحِ دین کے عین مطابق
مخالف نہ ہوں اور اختیارات ، قیادت شریعت غراء کے روح کے مطابق امیر کے پاس ہو ،
وزیر اور ناظم کے پاس نہیں ۔ تو اسی طرح بہت جلد اسلامی انقلاب آئے گا ، ہر مسلمان سر بکف

بن جائے گا اور پھر ملکی سطح پر بہت جلد اور آسان حریت مدنی انقلاب کی دیرینہ تمنا پوری ہو جائے گی اور فرض منصبی سے سبکدوشی بھی۔

حضرت مولانا گوہر رحمان صاحب امیر جماعت اسلامی صوبہ سرحد

آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ مغربی جمہوریت اور مغربی طرز سیاست سے اسلامی نظام نہیں آسکتا۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نظام اسلامی طرز سیاست ہی کے ذریعے آسکتا ہے بقول امام مالک رحؒ

"اس امت کے دورِ اخیر میں اصلاح اسی طریقے سے ہو سکتی ہے جس طریقے سے اس امت کے دورِ اوّل میں ہوئی تھی۔"

موجودہ حالات میں پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنانے اور پاکستان کے مسلمانوں کو اسلامی قیادت فراہم کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟ اسی موضوع پر ابھی ابھی ۱۲ - ۱۳ مئی کو مردان میں ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں مندوبین کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی قرآن وسنت کے ماہرین اور شیوخ القرآن والحدیث نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا، مذاکرات اور تبادلہ خیالات ہوا تھا جس کے نتیجے میں ایک قرارداد منظور ہوئی تھی جو میرے خیال میں اس وقت صحیح لائحہ عمل ہے میں یہ قرارداد آپ کو ارسال کر رہا ہوں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دینی تنظیموں اور گروپوں کو دینی سیاست کے لیے اور اصلاح امت کے لیے قرآن وسنت کے احکام و تعلیمات کے مطابق لائحہ عمل پر متفق ہو جانے کی توفیق بخشنے۔

"علماء و فضلاء اور ماہرین شریعت کی یہ کانفرنس موجودہ نسوانی حکومت کو قرآن وسنت کے احکام کی روشنی میں غیر شرعی حکومت قرار دیتی ہے۔ اس حکومت کی سربراہ وہ عورت ہے جو اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتی ہے۔ قرآن وسنت کی بالادستی سے انکار کرتی ہے اور اسلامی حدود کو وحشت و بربریت کہتی ہے اور ان کو بنیادی انسانی حقوق کے منافی قرار دیتی ہے حالانکہ اسلامی احکام اور شرعی حدود بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اس نسوانی حکومت نے ملک کے معاشی، سماجی، معاشرتی اور سیاسی نظام کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ غریب عوام کے نام پر جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور استحصالی طبقے کے ظلم واستحصال کو تحفظ دیا جا رہا ہے۔ اور فحاشی وعریانی اور اباحیت ولادینیت کی حوصلہ افزائی کر کے منصوبہ بندی کے تحت پاکستان میں یورپین تہذیب کو فروغ دیا جا رہا ہے یہ کانفرنس اس حقیقت کا اظہار بھی اپنا فرض سمجھتی ہے کہ یہ زنانہ حکومت جس مردانہ حکومت کی جگہ آئی ہے وہ بھی ان جرائم میں ملوث رہی ہے جن میں موجودہ حکومت ملوث ہے۔ سیکولرزم کو قانونی تحفظ دینے کے لیے غیر شرعی بل کا نفاذ شرعی عدالت

کے سود کے خاتمے کے بارے میں تاریخی فیصلے کو بے اثر بنانے کے لیے اپیل دائر کرنا اور استحصالی طبقے کے ظلم و استحصال کا تحفظ وہ جرائم ہیں جن میں نواز شریف کی حکومت اگر بے نظیر کی حکومت سے آگے نہیں تھی تو پیچھے بھی نہیں تھی

یہ دینی کانفرنس اس حکم شرعی کا اظہار بھی ضروری سمجھتی ہے کہ اسلامی حکومت کی سربراہی جس طرح عورت کو نہیں دی جا سکتی اسی طرح ہر مرد بھی اسلامی حکومت کا سربراہ نہیں بن سکتا ہے۔ شرعی احکام کی رو سے وہی مرد مسلمانوں کا حکمران بن سکتا ہے جو قرآن و سنت کی بالادستی کو فکر و عمل دونوں کے اعتبار سے تسلیم کرتا ہو۔ دین اسلام کا علم رکھتا ہو، دین کے فرائض کا پابند ہو، کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور حکومت کا پورا نظام قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق چلاتا ہو۔

لہٰذا اُس مرد کی حکومت بھی غیر شرعی تھی جس کی جگہ اس عورت کی حکومت آئی ہے۔ نااہل مرد اور نااہل عورت کی چھ سات سال سے جاری لڑائی اور محاذ آرائی نے ملک کو بے یقینی اور انارکی صورت حال سے دوچار کر دیا ہے۔ آئین و قانون کی سر عام دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ اسمبلیوں میں گالیوں اور دشنام طرازیوں کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ اور اسمبلیوں کے ارکان کو خریدنے کے لیے سیاسی رشوتوں کا بازار گرم ہے۔ اس صورتحال سے ملک کو نکالنے اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنانے کے لیے یہ عظیم کانفرنس درج ذیل اقدامات کو دینی اور ملی فریضہ قرار دیتی ہے۔

۱۔ تمام دینی تنظیمیں اور گروپ بے نظیر اور نواز دونوں کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۲۔ تمام دینی تنظیموں اور گروپوں کے سربراہ مل کر ایک متحدہ ملی محاذ تشکیل دیں۔ (جو اب ملی یکجہتی کونسل کی صورت میں وجود میں آ چکی ہے)

۳۔ ملی محاذ نفاذ شریعت کے پلیٹ فارم پر عوام کو مجتمع کرنے کے لیے ملک گیر تحریک کا اہتمام کرے اور ملی محاذ کو ملک کی واحد اسلامی قوت کے طور پر عوام کے سامنے پیش کرے۔

۴۔ نفاذ شریعت کی تحریک شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، شرعی حکومت اور اسلامی سیاست کا عملی نمونہ ہو مگر جرأت و شجاعت اور جہادی جذبے کی عکاس ہو۔

۵۔ اس تحریک کا ہدف مرد و زن کی موجودہ محاذ آرائی اور جنگ اقتدار سے قوم کو نجات دلانا اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے اسلامی قیادت فراہم کرنا ہو۔

۶۔ نفاذ شریعت کی مجوزہ تحریک سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سیاسی سوداگروں کے مظالم کا مقابلہ کرنے کے لیے عوام کو منظم اور بیدار کرے۔

۷ ۔ نفاذ شریعت کی مجوزہ تحریک امریکہ کے عالمی طاغوتی نظام کا مقابلہ کرنے اور امت مسلمہ کو واحد عالمی قوت بنانے کے جذبے کے تحت پہلے اپنے ملک کے عوام کو منظم کرے اور پھر پورے عالم اسلام اور ساری عالمی اسلامی تحریکوں کو منظم و متحد اور فعال بنانے کا منصوبہ بنائے اس کانفرنس کے شرکاء تمام دینی تنظیموں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ مذکورہ سات نکاتی پروگرام پر غور فرما کر عملی اقدامات کریں گے ۔

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

(ص ۳۵ سے)

یہ بحث اتنا طول نہ کھینچتی اگر ہمارے "لبرل اور ماڈرن" رہنما ہر ایسے موقع پر امت کے اجتماعی ضمیر اور مجموعی احساس کے علی الرغم رویہ نہ اپناتے ، البتہ وجدان یہ کہتا ہے کہ اب تک یورپ اور امریکہ ہمارے لبرل "لیڈروں" کے جلسے اور رویے دیکھ کر ہماری "غیرت اور ملی وحدت" کا اندازہ کرتے اور اپنے فیصلے ٹھونستے رہے مگر اب شاید "بندہ صحرائی اور مرد کہستانی" مسلمانوں سے انہیں سابقہ پیش آنے والا ہے ۔ آج نہیں تو کل ، اور کل نہیں تو اس سے اگلے دن! اب کی بار تاریخ اپنے سینے پر نیا باب رقم کرے گی ۔

(ص ۲۷ سے)

ہم ہندوؤں نے یہ موت طاری کرکے دکھائی ہے ۔ ہمیں صرف ایودھیا کو آزاد کرانا نہیں ہے بلکہ کاشی اور متھرا کو بھی آزاد کرانا ہے اور اس کے بعد مکہ میں واقع کعبہ کو بھی ۔ مسلمان جس کو کعبہ کہہ رہے ہیں وہ اصل میں مہادیو کا مندر ہے ۔"

اس خط سے خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں کو جاگ جانا چاہیے ۔ ہماری حکومت کو بھی ہندوؤں سے جو خیر کی توقع ہے وہ بھلا دینی چاہیئے ۔ یورپ و امریکہ ، برطانیہ اور کشمیر میں محاذ پر مسلم نوجوانوں کو ہندوؤں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے ۔
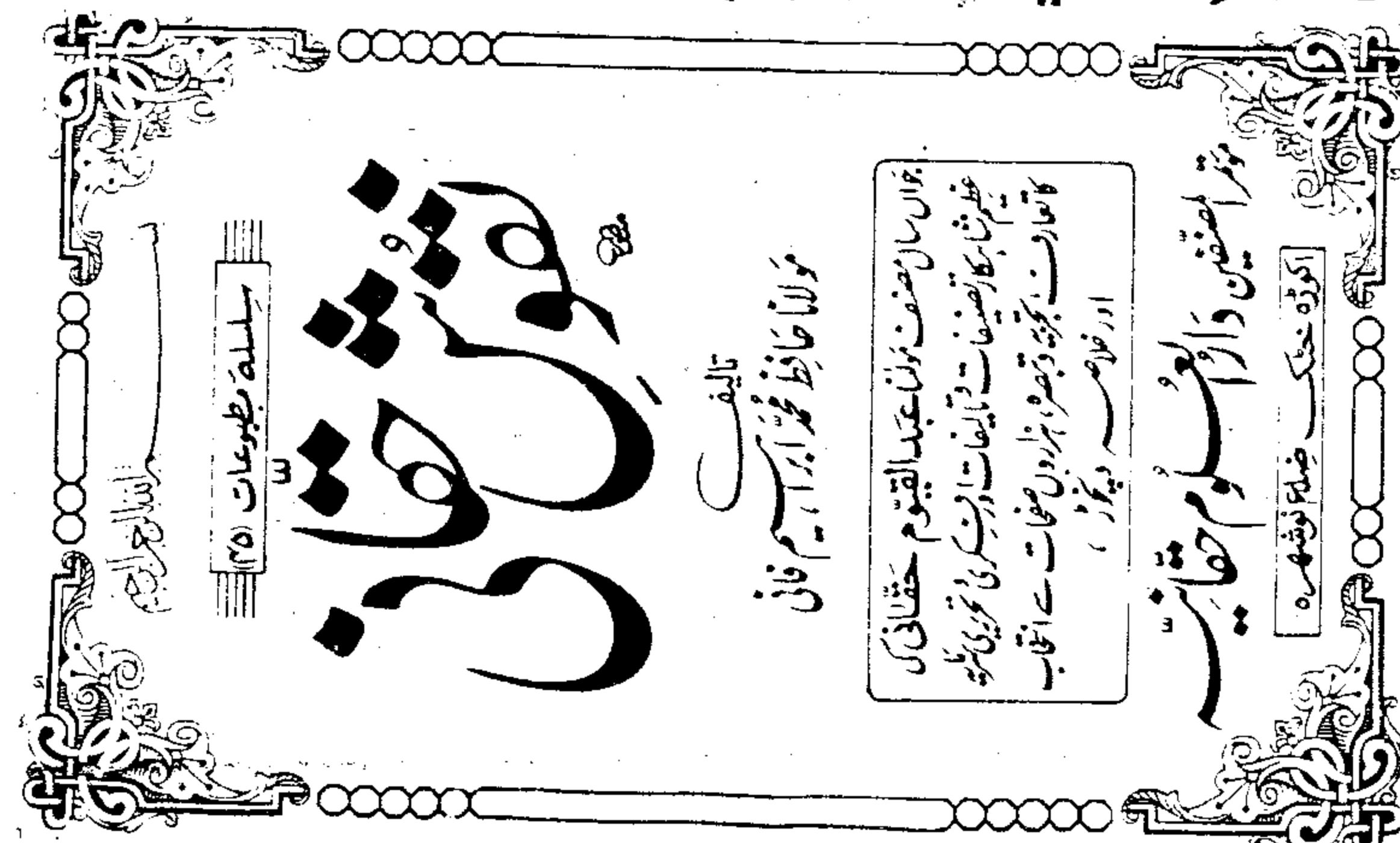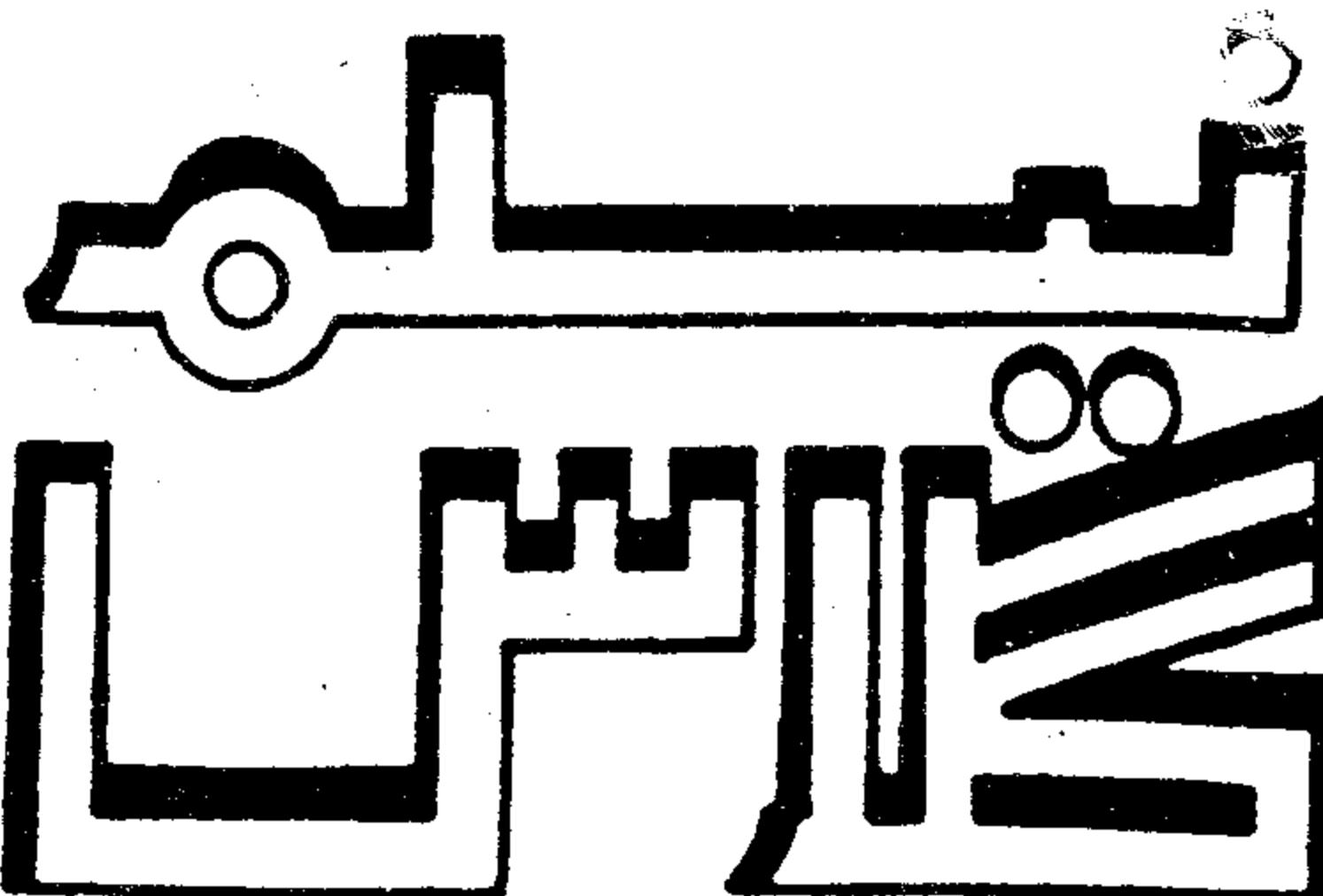
قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

کیا پاکستان، عیسائی ریاست ہے؟/ جناب خالد محمود صاحب
دین اسلام کے خلاف ایک اور خطرناک سازش۔
مولانا احسان اللہ فاروقی صاحب

کیا پاکستان، عیسائی ریاست ہے؟

در کراچی (کامرس رپورٹر) نومسلم خاتون ناصرہ شریف نے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ میرے بچوں کو عیسائیوں کے منفی عزائم سے بچایا اور بچوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ وہ کراچی پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کر رہی تھیں۔ ناصرہ شریف نے کہا کہ عیسائی مجھے ۲۲ سال قبل اسلام قبول کرنے کی سزا دے رہے ہیں اب انہوں نے میری دو بیٹیوں کو عیسائی بنا کر ان کی شادی عیسائی نوجوانوں سے کر دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عیسائی مشنری فلاحی اداروں کے نام پر کھلے عام تبلیغ کر رہے ہیں اور مسلمان ان کے عزائم سے بے خبر باہم اُلجھے ہوئے ہیں۔ مسز ناصرہ نے کہا کہ میں نے بے شمار جاننے والے مسلمانوں کو اپنے واقعات سنائے لیکن مسلمان بھائیوں نے میری مدد کرنے کی بجائے مجھے عیسائی مشنریوں کی طاقت سے ڈرانا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس شہر اور ملک میں میری کوئی مدد کرنے والا نہیں۔ شوہر نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ میرا گھر لُٹ گیا ہے۔ انہوں نے تمام مسلمان بھائیوں سے اپیل کی کہ وہ اللہ کے نام پر میری مدد کریں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۶ دسمبر ۱۹۹۴ء)

حساس اور دردمند مسلمانوں کو یہ فریاد یاد ہوگی جو تقریباً چار ماہ قبل شائع ہو چکی ہے، اس نومسلم خاتون کی فریاد ہم سب کے لیے بہت فکر انگیز ہے، حالیہ چند برسوں سے وطنِ عزیز میں عیسائی مشنریوں اور تنظیموں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں اور ملک گیر پیمانے پر ان کے احتجاج و مظاہرے اور ناموس رسالت آرڈیننس کے بارے میں ان کے شر انگیز بیانات ہم سب کے لیے بہت ہی فکرمندی کی بات ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ حالیہ برسوں میں توہین رسالت کے کئی شرمناک واقعات پیش آئے، مگر تا دمِ تحریر کوئی مجرم کیفرِ کردار کو نہیں پہنچا۔

ناقص و فرسودہ عدالتی نظام اور مغرب زدہ مسلمانوں کے شور و غوغا اور مغربی ممالک کے سفارتی دھمکے

ہر بار توہینِ رسالت کے مجرم کو سزا سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اس تمام صورتِ حال میں ہماری حکومت کا کردار بہت افسوسناک رہا ہے۔ اس بارے میں تازہ واقعہ سلامت مسیح اور رحمت مسیح کا ہے، جن کو لاہور ہائیکورٹ نے چند گھنٹوں کی سماعت کے بعد بری کر دیا اور یہ دونوں مجرم ملک سے فرار ہو کر جرمنی پہنچ گئے۔ باشعور مسلمانوں سے ہماری پُرزور گزارش ہے کہ وہ عیسائیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمی سے غفلت نہ برتیں کہ مسلم قوم نے غفلت و سادہ لوحی کی وجہ سے ماضی میں بہت نقصانات اٹھائے ہیں۔

ہمارے ملک میں یہ عیسائی تنظیمیں کیا گُل کھلا رہی ہیں اور مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے میں کس سرگرمی سے مصروف ہیں۔ یہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے اگر اللہ نے چاہا تو بہت جلد ایک کتاب بعنوان "پاکستان میں عیسائی مشنریوں کے عزائم" منظرِ عام پر آئے گی۔

مسلم قوم کی بقا و فلاح اور کامیابی و کامرانی دوراندیشی اتحاد و اتفاق اور دینی تعلیمات پر عمل میں مضمر ہے، ان اصولوں پر عمل ہماری کامیابی کی راہیں کھولتا ہے، اور ان سے فرار نقصان و بربادی کا سبب بنتا ہے، جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ سے واضح ہے۔"

ایک کلمہ گو اپنی ذاتی زندگی اور فکرِ معاش میں منہمک ہو کر اجتماعی زندگی سے یکسر غافل ہو جانا نامناسب و ناپسندیدہ روش ہے۔ ساتھ ہی کلمہ حق کی سربلندی اور دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہر باعمل مسلمان کی پہچان و امتیازی نشان رہی ہے۔

یہود و نصاریٰ ہمارے ازلی دشمن ہیں، ان کو دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ سے شدید نفرت و بغض ہے صلیبی جنگیں اس کا واضح ثبوت ہیں اور آج کے یہود و نصاریٰ کا اسلام سے بغض و نفرت دریدہ دھن اور گستاخ رسول ملعون سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی پشت پناہی کی صورت میں صاف جھلکتا ہے۔ دین حق کی سربلندی اور کفر و اہل کفر کی پستی کے لیے جہاد فرض کیا گیا ہے، ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ اس جذبہ جہاد کو پروان چڑھائیں دین حق کی ہر کوشش بقدر ہمت شریک ہوں اور بطورِ خاص اپنے ملک پاکستان میں دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے مقدور بھر جدوجہد کریں۔

اس ملک میں جو صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اسلام دشمن عناصر اپنے مکروہ و مذموم ارادوں میں مصروفِ عمل ہیں مگر ہم ہیں کہ غافل و بے خبر اپنی دنیا سنوارنے سے ہی فرصت نہیں۔"

کراچی سے شائع ہونے والے معاصر "ہفت روزہ تکبیر" میں تفصیلی رپورٹ جو مسلسل تین شماروں میں شائع ہوئی ہے۔ چند جملے درج ذیل ہیں۔

۱۔ کراچی پر عیسائیت کی یلغار، نوجوان مسلم لڑکیاں خصوصی ہدف ہیں۔

۲۔ ۱۵ مشنری اداروں کی زیر نگرانی کراچی شہر میں ۱۵۰ مراکز کام کر رہے ہیں ۔

۳۔ ترکِ منشیات کے اداروں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ نشہ بازوں اور ان کے اہل خانہ کو عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے ۔

۴۔ کراچی میں عیسائی مشنری کا اہم ہدف لیاری کے بلوچ ہیں ۔کینیڈا کا ایک شہری لیاری یونٹ کا انچارج ہے بظاہر یہ شخص پادریوں کو تربیت دینے والے کالج کا پروفیسر ہے ،مگر اب تک ۱۷ افراد کو عیسائی بنا چکا ہے ۔

۵۔ برطانوی شہریت کی حامل ایک خاتون بظاہر ٹرینیٹی گرلز اسکول کی سینئر ٹیچر ہے مگر اس کا اصل کام خواتین میں عیسائیت کی تبلیغ کی ذمہ داری ہے ۔یہ اب تک اپنی کوششوں سے درجنوں غریب لڑکیوں کو عیسائی بنا چکی ہے ۔

۶۔ صرف دسمبر ۱۹۹۲ء میں کراچی کے ۵۰ سے زائد مسلمانوں نے عیسائیت قبول کی جب کہ پورے سال ۹۲ء میں عیسائیت قبول کرنے والے افراد کی تعداد ۶۰۰ ہے ۔

۷۔ کراچی میں عیسائیت کی تبلیغ کے درجنوں خفیہ مراکز قائم ہیں ۔یہ مراکز بظاہر کسی دوسرے کام کی غرض سے قائم ہیں اور اکثر فلاحی اداروں کے روپ میں کام کر رہے ہیں ۔ پس پردہ عیسائیت کی تبلیغ ہے ۔

۸۔ کراچی میں ایمپریس مارکیٹ میں ۸ ۔۷ ۔این ون فریئر اسٹریٹ ای ۔ایل ۔ایس کے نام سے کرسچن کتابوں کی دوکان ہے جو پوری دنیا میں عیسائی لٹریچر تقسیم کرنے والے ایک بڑے نیٹ ورک کا حصہ ہے جس کا دفتر لندن میں ہے ۔ (ہفت روزہ تکبیر ۲۸ جنوری و ۴ جنوری ۱۹۹۳ء)

درج بالا رپورٹ میں ممکن ہے کہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو یا یہ کہ اعداد و شمار میں عیسائیوں نے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے غلط رپورٹنگ کی ہو مگر اتنی بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عیسائی مشنریز عیسائیت کی مردہ لاش کو جس تندہی سے اٹھائے اٹھائے پھر رہے ہیں ،ہم مسلمان ان کے مقابلہ میں ایک زندہ جاوید مذہب اسلام کی اشاعت میں اپنی کس قدر ذمہ داری نبھا رہے ہیں ۔ (جناب خالد محمود صاحب)

دین اسلام کے خلاف ایک اور خطرناک سازش

گزارش ہے کہ وطن عزیز پاکستان میں جس گھٹیا انداز میں اسلام اور شعار اسلام کی توہین کی جا رہی ہے اس سے جہاں پر ایک مسلمان پریشان اور مایوسی اور مجبوری کی زندگی گزار رہا ہے ۔ وہاں علماء کرام خصوصاً دکھ اور کرب کے عالم میں انفرادیت اور امت کے انتشار و اختلاف کی وجہ سے چار و ناچار وہ کردار ادا نہیں کر رہے جو ان کو اپنے منصب ممبر و محراب کی حیثیت سے کرنا چاہیئے تھا ۔شومئی قسمت امت محمدیہ کا مختلف جماعتوں

اور پلیٹ فارموں پر تقسیم ہو جانا ہی ہماری کمزوری کا سب سے بڑا سبب ہے بدقسمتی سے موجودہ حالات میں بھی علماء کرام صرف قلیل عرصہ کے علاوہ کبھی بھی سنجیدہ اور استقامت کے ساتھ اتحاد حقیقی کی صورت میں نہیں چل رہے جسکی وجہ سے دشمنان اسلام قوتوں کو ان کی غلیظ سازشوں کا دندان شکن جواب نہیں دیا جا رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اگر کوئی شاتم رسول ؐ سامنے آتا تو غازی علم دین شہید ؒ پیدا کرنے والے علماء کرام اپنے اوپر آرام سکون کو اس وقت تک حرام قرار دیدیتے جب تک اسے واصل جہنم نہ کیا جاتا ایک آج وقت ہے کہ ہر طرف شعائر اسلام کی توہین و تذلیل ہو رہی ہے لیکن ممبر ومحراب کا وارث امت کی بے راہ روی یہود وہنود کی سازشوں پر آنسو بہا کر اپنے آپ کو تنہا محسوس کر کے خاموش بیٹھا ہے میرے قابل صد احترام معزز علماء کرام میں آپ کے خادم کی حیثیت سے مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ ابھی حال ہی میں پاکستان کی مختلف ٹیکسٹائل ملوں میں عورتوں کے کپڑوں پر مختلف ڈیزائنوں میں جن میں لان وبل سمرینہ، کرینکل، لینن، شیشہ، پیلس، خوشبو وغیرہ کے کپڑوں پر لفظ اللہ۔ محمد ؐ۔ لا الہ الا اللہ۔ عمر ؓ قرآنی آیات ورحمنا انت مولانا۔ واضح طور پر پرنٹ ہیں بندہ کے پاس ان کلمات مقدسہ پر مشتمل کثیر تعداد میں استعمال شدہ جوڑے موجود ہیں اور ان میں نام (محمد) تو بہت زیادہ پرنٹ ہیں ایک جوڑے پر تقریباً دوسو (۲۰۰) مرتبہ یہ نام مبارک آتا ہے اور یہ کپڑا قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر آپ کی تصور وسوچ سے بھی کہیں زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔ میری علماء کرام وبرادران اسلام سے گزارش ہے کہ شلوار قمیص کی صورت میں اس مقدس نام کی جس پر عالم کی تمام عزتیں، عظمتیں، محبتیں، عقیدتیں جنکے نعلین مبارک کی عزت وحرمت کی زکوٰۃ ہیں اس کی کتنی ذلت آمیز توہین ہوتی ہے۔ آیئے زندگی کے جس شعبہ سے ہمارا تعلق ہو اس نام مقدس کی عظمت کے لیے بے چین ہو جائیں۔ میرے سر کے تاج علماء کرام اپنی خطابت، صلاحیتوں اپنے حلقہ احباب میں اپنی جان و مال کو ان پرنٹ شدہ کپڑوں کے استعمال کو روکنے کے لیے انفرادی طور اور اجتماعی طور پر اپنی استطاعت کے مطابق نتائج سے بے نیاز ہو کر عوام کو آگاہ کرنے کے لیے نکلیں آپ نہ صرف محسوس کریں گے بلکہ یقین آجائے گا مسلمان بے خبر ضرور ہے مذہبی بے غیرت نہیں کیونکہ کئی مہینوں سے استعمال کرنے والی خواتین کو جب علم ہوا تو وہ دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں اور کہتیں تھیں کہ ہمارا یہ گناہ جو لاعلمی کی وجہ سے ہوا، کیسے معاف ہوگا۔ عوام کو صرف آگاہ کرنے کی ضرورت ہے ہمارا پروگرام حکومت سے احتجاج نہیں۔ ہم تو صرف اللہ کی خوشنودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی خاطر مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہماری یہ کوشش اتنی بڑی سازش کے مقابلہ میں صرف آگ نمرود میں چڑیا کے کردار کی حیثیت رکھتی ہے۔

نوٹ: اخباری اطلاعات کے مطابق جوتوں پر حضور ؐ کا نام مبارک کے اسٹیکر لگے ہوئے ہوتے ہیں اور ٹافیوں کے گرد لپٹے کاغذ پر قرآنی آیات تحریر ہیں ہر چیز خریدتے وقت ہوشیار رہیں۔

احسان اللہ فاروقی، خطیب جامع مسجد سیدنا عمر فاروق ؓ (ڈسکہ)